خان زادی

کیا پولیس عوام کو تحفظ فراہم کرتی ہے

میسنا ناز

PDFBOOKSFREE.PK

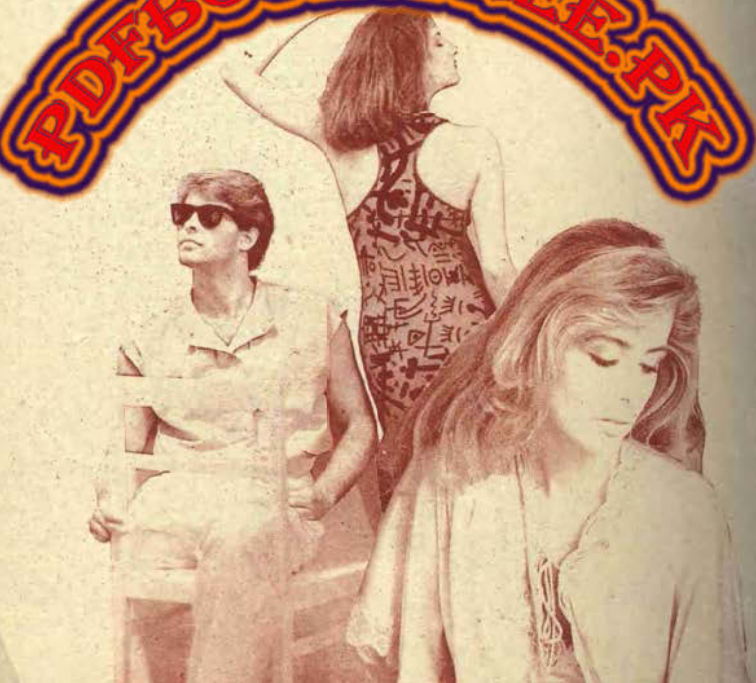

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انتساب

اپنے نام

کہ میں خود بھی مدتوں سے
آئیڈیل کی تلاش میں
بھٹک رہا ہوں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگر حسن آتشی تھا تو مزاج دو آتشی تھا۔ اور اگر کسی دولتمند گھرانے میں پیدا
ہوتی تو مہارانی ہوتی۔ لیکن غربت کی کوکھ نے اُس کے حسن کو گرہن لگا
دیا تھا۔ میٹرک کرنے کے بعد باپ نے مزید تعلیم دلوانے سے انکار کر دیا تھا
اس لئے نہیں کہ وہ پردے کا قائل تھا بلکہ مزید تعلیم کے اخراجات کا متحمل نہیں ہو
سکتا تھا۔ آزاد کشمیر جموں کی طرف سے ایک خاندان ہجرت کر کے پاکستان آگیا
تھا اس جگہ کو چھوڑنے کا سبب بے روزگاری ہی بنا تھا۔ اس خاندان میں
جوان تھا جس نے چار پیسے جمع کر کے ایک ہندوستانی گھرانے میں شادی کر
لی اور قدرت نے اسے دو خوبصورت بیٹیوں اور ایک بیٹے جیسی نعمت
سے نواز دیا تھا۔ لیکن وہ اب بھی مزدور تھا۔ راج گری کرتا تھا۔ اس لئے
سر کا اُسے یہ فائدہ ضرور ہو گیا تھا کہ مکان اپنا بنا لیا تھا اور مہنگائی کے اس
دور کرائے جیسی لعنت سے بچ گیا تھا۔

دونوں بہنوں نے صرف میٹرک تک پڑھا تھا۔ زبیدہ جو بڑی تھی مزاج
کی درد اور ٹھنڈا پن رکھتی تھی۔ لیکن عبیدہ۔ جس قدر حسین تھی اس قدر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ی آتشی مزاج کی مالک تھی۔ گو وہ زبیدہ سے پورے تین سال چھوٹی تھی
یکن وہ زبیدہ سے یوں پیش آتی جیسے خود بڑی ہو۔ اب یہ بھی نہیں تھا کہ بڑی
ہن کی کسی بات میں تضحیک کا پہلو نکال لیتی ہو۔ بے پناہ عزت اور محبت کرتی
تھی اُس کی۔ بس ضرورت سے زیادہ بے تکلف تھی۔

نام عبیدہ تھا۔ لیکن خان زادی کہلانا پسند کرتی تھی۔ اُسے بڑا فخر
تھا کہ وہ ذات کی پٹھانی ہے۔ سکول کے زمانے میں بھی اُسے کوئی عبیدہ کہہ
دیتا تو اسے دیر تک تیز نظروں سے گھورتی رہتی۔ پھر پھنکار کر کہتی خان زادی
کہتے ہوئے تیرے جبڑے دکھتے ہیں۔ خبردار آئندہ مجھ سے بات مت کرنا۔
یہ تھا اس کا مزاج۔ گھر میں کیونکہ اس ماں ہندوستانی گھرانے سے تعلق رکھتی
تھی لہٰذا اس سے تو عبیدہ نے کہہ رکھا تھا۔ دیکھو ماں۔ تمہیں تو معلوم ہے
پٹھانی خون میں کس قدر گرمی ہوتی ہے۔ لہٰذا کوئی کام وام لینا ہو تو بڑی محبت
سے خان زادی کہہ کر پکار لیا کرو۔

اتنے جوتے ماروں گی کہ سر پر سے بال جھڑ جائیں گے۔ باپ سارا دن
اینٹیں اٹھا اٹھا کر جوڑتا اور توڑتا رہتا ہے اور بیٹی نواب زادی بننے کے خواب
دیکھتی ہے۔

چل جھاڑو اٹھا کر صحن کی گندگی صاف کر۔

میں نواب زادی نہیں خان زادی ہوں۔ تم نے ایک پٹھان سے شادی
کی تو وہ پٹھان ہی تو تھا۔ کوئی سید زادہ تو نہیں تھا۔ اور پھر میرے تو نصیب
پھوٹ گئے۔ اگر کسی اپنے خاندان کے لڑکے سے شادی ہوئی ہوتی تو کم از کم

گھر میں چولہا تو وقت پر جل جاتا سکینہ پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی۔

توبہ کرو ماں۔ اور خدا کا شکر ادا کرو کہ ایک عزت مند پٹھان کے ہاتھ
لگ گئی تھیں ورنہ پتہ نہیں کیا ہوتا۔

یہ ہاتھ لگنے سے کیا مراد ہے تمہاری۔ کیا میں اغوا ہو کر آئی تھیں جو یہ بکواس
کر رہی ہے تو۔

ماں تو کس کی باتوں پر کان دھر رہی ہے یہ تو نری چڑیل ہے لاؤ میں
جھاڑو دے دیتی ہوں۔ زبیدہ نے کمرے سے نکل کر بات ختم کرنے کی کوشش
کی اور عبیدہ قہقہہ لگاتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

کام چور نکمی۔ سکینہ بڑبڑائی۔

ماں یہ بات نہیں۔ کہ وہ کام سے جی چراتی ہے۔ بس اس وقت اس
کا کوئی ناول ادھورہ رہا ہوگا۔ تمہیں تو معلوم ہے کہ اگر کوئی ناول پڑھ رہی ہو تو دنیا
کا ہر کام اسے زہر لگتا ہے ویسے تو وہ گھر کے تمام کام کرتی ہے اب کل ہی
کو دوپہر تک تنہا پورے گھر کے کپڑے دھوتی رہی ہے۔
۔وہ قسمت والا دن ہوتا ہے جب کام کو ہاتھ لگاتی ہے تو اس کی طرفداری
نہ کیا کرو تمہیں ماں وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ دل کی ولی ہے تو ماں ہو کر اُسے
نہیں سمجھ سکی۔ اس سے کام لینا ہو تو خان زادی کہہ دیا کرو۔ ویسے وہ ہے
تو خان زادی ہی۔

میرا دماغ خراب ہوا ہے۔ جو اُسے خان زادی کہتی پھروں۔ میرے ہاتھ
نہیں ٹوٹ گئے۔ ابھی اتنا دم ہے۔ خود کر لیا کروں گی گھر کے کام کاج۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ر زبیدہ مسکراتے ہوئے جھاڑو لے کر کی طرف متوجہ ہوگئی۔

خان زادی تو خان زادی تھی۔ جب لائبریری والے کو کرایہ دینا مخصوص
یں ہوتا تھا یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس کے پاس کرایہ ادا کرنے کے لئے ایک
پیہ نہیں ہوتا تھا تو وہ اُس سے یوں مخاطب ہوتی تھی۔

- چچا زبیر۔ ناول خریدتے وقت پڑھ بھی لیا کرو۔ کیا بہو بیٹیوں کو ایسے
ل دیا کرتے ہیں۔

لیکن بیٹی یہ تو بہت اچھے مصنف کی کتاب ہے۔ اور میں تمہیں بالکل
یلو قسم کے ناول دیتا ہوں اب اس میں کیا خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ لائبریری
مالک گھبرا کر کہتا۔

ایک خرابی ہو تو بتاؤں بس بیس پچیس صفحات ہی پڑھ کر اسے اُٹھا کر
ار پر دے مارا۔ کمبخت کو لکھنا نہیں آتا تو ناول نگار بن کر دوسروں کا وقت
ں ضائع کرتے ہیں۔

اچھا میں تمہیں دوسرے مصنف کی کتاب دے دیتا ہوں۔
نہیں اس کی کوئی دوسری دو۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ ہر ناول میں اس نے
اس ہی لکھی ہے یا کوئی کام کی بات بھی لکھ ڈالی ہے۔

اچھا اچھا۔ میں نکال دیتا ہوں کیونکہ یہ ناول تم نہیں پڑھ سکیں اس لئے
یہ بھی نہیں دو گی۔

اچھے ناول کا کرایہ دیا کرتی ہوں۔ اور یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو۔
ا زبیر۔ خدا کا شکر ادا کیا کرو کہ ایسے نکمے ناول میں پھاڑ نہیں ڈالتی۔ ورنہ تمہارا

بہت نقصان ہوا کرے بس یہ سوچ کر رک جاتی ہوں کہ چچا زبیر بھی تو اپنے ہیں۔
پھر محلے داری کا بھی تو کوئی لحاظ ہے۔

تم ٹھیک کہتی ہو بیٹی لو یہ دوسرا ناول لے جاؤ۔

اور یوں وہ اپنا کرایہ اکثر بچایا کرتی تھی۔ بلکہ دیکھا جائے تو تین چار ناو
پڑھنے کے بعد اس غریب کو ایک روپیہ دیتی تھی۔ اور روپیہ دیتے وقت کہہ
بھی کہ لو چچا یہ ناول ایمانداری سے ادیب نے لکھا ہے۔ اب پیسے د
دیتے تکلیف نہیں ہو رہی ہے۔ اس کا مزید دے دو!

لیکن کل تو تم اس ادیب کو گالیاں دے رہی تھیں۔ کل کی تھی۔ اس وقت وہ ا
رہا ہوگا۔ وہ اتنا کہہ کر مسکراتی ہوئی واپس لوٹ آتی تھی۔

بات یہ نہیں کہ وہ بات بدل کر چچا زبیر کو تنگ کرتی تھی یا اسے کرایہ ادا
نہیں کرتی تھی۔ بلکہ حقیقت یہ ہوتی تھی کہ اس کے پاس روپیہ ہوتا ہی نہیں تھا
وہ تو جب بازار سے سودا سلف لاتی تو پیسے اڑا لیتی تھی۔ ماں پوچھتی رہتی کہ
تو کسی سود خور کے پاس جاتی ہو۔ پیاز تین روپے کلو ہر جگہ مل رہا ہے تو یہ چار روپے
کلو کہاں سے اٹھا لائی۔

تین روپے کلو والا پیاز بھی تھا لیکن چھوٹا چھوٹا تھا اس لئے نہیں لائی۔
اور یہ مرچ آدھا پاؤ ہیں اور پاؤ بھر کے پیسے دے آئی ہے۔ دوکاندار بھی کتنے
خراب ہوگئے ہیں۔ سب چور ہیں۔ کل اس سے بات کروں گی۔ خدا کی پناہ میں
نے اس وقت دیکھا تک نہیں۔

پیسے مارے ہیں اپنے ناول کے لئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماں الزام تراشی اچھی نہیں لگتی۔ آخر خان زادی ہوں کوئی چور ڈاکو نہیں ہوں
کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلی جاتی تھی۔ اور سکینہ کافی دیر تک بڑبڑاتی رہتی تھی
ایک دن زبیدہ اس پر چڑھ دوڑی۔

یہ تم کیا عاشقانہ ناول پڑھتی رہتی ہو۔ شرم کیا کرو۔
کبھی گھر کا کام کاج بھی کر لیا کرو۔ تمہارے حصے جو کام آتا ہے وہ ماں
سر پر ڈال کر ناول لے کر بیٹھ جاتی ہو۔

ادے باجی تمہیں کیا معلوم زندگی کے نشیب و فراز کیا ہیں۔ جب ہ
سے ملتا ہے تو کمبخت اپنی ہیروئین کو بغیر چھوئے چوبیس گھنٹے تکتا رہتا
سے یہ بھی نہیں ہوتا کہ اسے اپنی آغوش میں لے کر چومن کرے
کیا بکواس ہے۔ زبیدہ اسے گھور کر بولی۔

ہر ناطل میں یوں ہی نہیں ہوتا۔ کچھ ادیب مولوی ٹائپ کے اور
قسم کے ہوتے ہیں۔ جو چومن کو بھی کرپشن سمجھتے ہیں اور کچھ اس قدر بے
ہیں کہ کمبخت ہر منزل سے گذر جاتے ہیں۔ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ ہم جیسی ل
کے جذبات بھی مچلے جاتے ہیں بلکہ دلوں پر تیز چھکے پڑتے ہیں۔ ایک
نے جب ہیرو ہیروئین کی شادی کروائی تو سہاگ رات کا یوں منظر کھینچ
وہاں تشریف فرما تھے۔ لیکن ایک بات ضرور ہے کہ کم از کم پتہ چل جاتا
اس وقت کیا ہوتا ہے۔

تو تم اس قسم کی چیزیں پڑھتی رہتی ہو۔

دنیا بھر کے رسائل اور ناولوں میں ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں۔ لیکن آپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یدا ہوئی تھیں۔

بکو مت۔ اور مت پڑھا کر دایسی واہیات کتابیں۔ جاؤ ماں کے ساتھ ہاتھ
ہ کپڑے دھونے خود بیٹھ گئی ہیں۔

یہ کام کچھ سخت ہے۔ ان کو نہیں کرنا چاہیئے۔ ویسے باجی تم کیا کر رہی ہو ——
ں کے ساتھ مل کر لانڈری۔ ۔ ۔ میں ذرہ اس ناول کو ختم کر لوں۔
ہں کسی دن پیٹ ڈالوں گی تمہیں۔

بڑے ہونے کا نا جائز فائدہ اٹھاؤ گی۔ ۔ ۔ ۔ خدا کو کیا جواب دو گی۔ ویسا
ن زادی عزتِ نفس بھی رکھنی ہے۔

یں تمہارے سر پر اتنے جوتے ماروں گی کہ ذات پات بھول جاؤ گی۔ بس
رق اور۔ ۔ کمبخت ایک ساتھ لیٹے ہوئے ہیں اور مجال ہے جو ایک
ے۔

اٹھتی ہو یا نہیں۔ ۔ ۔ زبیدہ نے گھونسہ دکھایا اور عبیدہ منہ بسور کر ناول
سے ایک طرف رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

باجی تم کو خدا سے ڈر نہیں آتا۔

یں نے ابھی تک خدا کا کچھ نہیں بگاڑا۔ اس لئے مطمئن ہوں۔ زبیدہ اُسے
ر بولی۔

کسی کو ڈسٹرب کرنا۔ اس کے جذبات کو کچلنا خدا کو منظور نہیں۔

باہر ماں کے پاس جاؤ وہ غصہ میں کپڑے لے کر بیٹھ گئی ہیں۔

چوبیس گھنٹے میں صرف چھ گھنٹے وہ نارمل رہتی ہیں۔ اور وہ چھ گھنٹے جب

وہ سوئی ہوتی ہیں۔ ورنہ بیٹے اور شوہر کا غصہ صرف اور صرف مجھ غریب پر نکالتی ہیں

اگر تم گونگی ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا۔

پھر آپ لوگ زیادہ مصیبت میں مبتلا ہو جاتے اور گھنٹوں میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے رہتے اور سر درد کی گولیاں پھانک کر سوتے اور سوتے میں بھی بڑبڑاتے رہتے کہ پتہ نہیں کمبخت کیا بک رہی ہے۔ کیونکہ میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی پہیلی بجھواتی رہتی۔

خدا سمجھے تم کو۔

پہلے خود سمجھ لیجئے۔ چھوٹے چھوٹے کاموں میں بزرگ برتر کو زحمت نہیں دیا کرتے۔ زبیدہ اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے باہر نکل گئی۔ یہ تھیں دونوں بہنیں اور یہ تھا ان کے گفتگو کرنے کا انداز۔ اور بے پناہ اپنائیت۔ دونوں یک جان تھیں۔ ذات کے پٹھان تھے۔ ماں ہندوستانی تھی اور باپ راجپوت پٹھان۔ ۔ ۔ جس کا آبائی وطن جموں و کشمیر میں کہیں تھا لیکن چھوٹی عمر میں چھوٹے سے خاندان نے ذریعہ معاش کے لئے ترک وطن کیا۔ اور پاکستان میں آباد ہو گئے۔ عبیدہ کو علم تھا کہ وہ ذات کی پٹھانی ہے اس لئے خان زادی کہلانے میں بڑا فخر محسوس کرتی تھی۔ اور خود بھی سر اُونچا کر کے کہتی تھی کہ میں خان زادی ہوں دراصل غربت نے ان لوگوں کچھ اس انداز سے کچل دیا تھا کہ وہ اس لفظ سے تسکین حاصل کرتی تھی۔ اس کے نزدیک لفظ خان زادی بڑا متبرک تھا اور اہمیت کا حامل تھا۔

جب وہ سکول میں رہی اپنے آپ کو خان زادی ہی کہلاتی رہی۔ اب اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خان زادی کہنے والا کوئی نہیں تھا۔ باہر ماں کے پاس جا رہی تھی کہ دروازے پر دستک سن کر رک گئی۔ پھر تیزی سے دروازے تک آئی۔ اسے یقین تھا کہ کوئی قرض لینے والا ہی آیا ہوگا۔ اور اس کا کام تھا کہ بڑے اچھے انداز سے اسے ٹال دیتی۔ وہ اس تیزی سے دروازے تک پہنچی تھی کہ اپنے سامنے ایک جوڑے کو دیکھ کر ٹھٹک گئی کیونکہ دونوں چہرے ہی آشنا نہیں تھے۔

فرمایئے۔ وہ عورت سے مخاطب ہوئی تھی۔

ہم دونوں میاں بیوی ہیں۔

بڑی اچھی بات ہے۔ مزید فرمایئے۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ اُوپر والا کمرہ کرایہ پر اٹھانا چاہتے ہیں۔

کس سے معلوم ہوا ہے۔

آپ کے پڑوسیوں سے۔

شکل وصورت سے تو آپ لوگ شریف نظر آتے ہیں۔ بہرکیف میں اپنی والدہ محترمہ سے بات کرلوں۔ شائد انہوں نے اڑوس پڑوس میں کسی سے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہو۔ اتنا کہہ کر عبیدہ واپس ماں کے پاس آئی جو کپڑے کھنگال رہی تھی۔

آپ نے کسی کو اُوپر والا کمرہ کرایہ پر دینے کے لئے کہہ رکھا ہے۔

کون آیا ہے۔

کرایہ دار جن کو کمرہ چاہیئے۔ میاں بیوی ہیں۔

ٹھہرو میں بات کرتی ہوں۔ بلکہ تم ایسا کرو کہ ان سے معلوم کرلو کہ بچے تو نہیں

ہیں۔ اگر صرف میاں بیوی ہیں تو انہیں کمرہ دکھا دو۔ اور پانچ سو روپیہ کرایہ کہنا۔

پانچ سو روپے۔۔۔۔ عبیدہ حیرت سے بولی۔

لڑکی تمہیں معلوم نہیں آج کل کس قدر ریٹ چڑھے ہوئے ہیں۔ میرا خیال ہے یہ کرایہ کچھ زیادہ نہیں۔ تین سو مناسب ہے۔ پہلے جاکر ان سے بات کرلو۔

اور تب عبیدہ واپس دروازے تک آئی اور بولی کہ کرایہ کے لئے خالی ہے۔ پہلے آپ اُسے دیکھ لیں کہ آپ کا گذارہ ہوجائے گا۔ پھر کرایہ کی بات کریں گے۔

جی بہت بہتر۔ وہ عورت انکساری سے بولی اور عبیدہ انہیں لے کر اوپر بالائی منزل کی طرف بڑھ گئی۔ زبیدہ کیونکہ اندر کمرے میں تھی اس لئے اُسے علم نہ ہوسکا کہ اُوپر والا پورشن کرایہ پر اٹھایا جا رہا ہے۔

کمرہ تو مناسب ہے آپ کرایہ بتا دیجئے۔

آپ زیادہ سے زیادہ کیا دے سکتے ہیں۔ عبیدہ بہن کہہ کر عورت سے بولی۔

آپ بہت شربر لڑکی ہیں۔

خان زادی ہوں۔

اچھا۔۔۔ عورت نے مسکرا کر حیرت کا اظہار کیا۔

جی میں خاندانی خان زادی ہوں بس ذرہ حالات گڑبڑ ہوگئے۔ اس لئے آپ کو کمرہ کرایہ پر دے رہے ہیں۔ ویسے میری امی پانچ سو کہہ رہی تھیں۔

یہ تو بہت زیادہ ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کم کر دیجیے۔
تین سو مناسب ہے۔ اس سے زیادہ نہیں دے سکتے۔
سامان لے آیئے۔
شکریہ عورت مسکرا کر بولی۔
جب دونوں میاں بیوی چلے گئے تو عبیدہ ماں سے بولی تین سو سے زیادہ
ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں دے رہے۔
اور تم نے انہیں چلے جانے کا کہہ دیا۔
نہیں میں نے کہہ دیا ہے کہ بسم اللہ کر کے سامان لے آیئے۔
اچھا کیا۔ کم از کم ان پیسوں سے تم دونوں کا کچھ نہ کچھ بنتا رہے گا۔
تمہارے باپ اور بھائی کی کمائی سے تو گھر تک نہیں چلتا۔
سکینہ بڑبڑاتی رہی اور شوہر کے ساتھ بیٹے کو کوستی رہی۔ اور عبیدہ وہاں سے ٹل کر زبیدہ کے پاس آ گئی۔
تمہیں کہا تھا کہ ماں کا ہاتھ بٹاؤ۔
آپ کے لئے ایک اطلاع ہے کہ ماں نے اُوپر والا کمرہ کرایہ پر اٹھوا دیا ہے۔ دو میاں بیوی ہیں۔ بچے نہیں ہیں۔ شکل و صورت سے شریف ہی لگتے ہیں۔
ہاں امی مہینے بھر سے کہہ رہی تھی کہ کوئی مناسب کرایہ دار مل جائے جس سے کچھ پیسے مل جایئں۔ جب بھولاؤنگی تو خالی کرالونگی۔
بہر حال تم جا کر ماں کا ہاتھ بٹاؤ۔

جا رہی ہوں۔ عبیدہ ہنستی ہوئی باہر نکل گئی۔ اور یوں اُس مختصر فیملی میں دو افراد کا اضافہ ہو گیا۔ شام کو وہ لوگ اپنا مختصر سامان لے کر آ گئے اور اوپر آباد ہو گئے
کیوں باجی کیسے لوگ ہیں یہ۔
بظاہر تو اچھے ہیں۔
کتنے سال ہو گئے ہیں ان کی شادی کو لیکن ابھی بچہ نہیں ہوا۔
تو تم کو اس بات سے کیا واسطہ۔
میرا خیال ہے خاندانی منصوبہ بندی پر عمل پیرا ہیں۔
واہیات باتیں مت کیا کرو۔
میں تبادلہ خیالات کر رہی تھی۔
اس قسم کے خیالات کا اظہار میرے سامنے مت کیا کرو
آپ کی اب تک شادی ہو جانا چاہیئے تھی۔ شاید اس وجہ سے آپ کچھ.....
کیا مطلب....
اچھے اچھے ناول پڑھا کریں۔
پھر کیا ہو گا۔
میری طرح خوش رہا کریں۔
میں اب بھی خوش رہتی ہوں۔
لیکن میرا خیال کچھ اور ہے۔
مثلاً
یہ کہ آپ کی عمر شادی کو چھو رہی ہے اور ابھی تک کوئی رشتہ نہیں آیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے شادی کی کوئی جلدی نہیں۔

لیکن مجھے جلدی ہے۔ آپ جائیں گی تو میری باری آئے گی۔

یہ الٹے سیدھے ناول پڑھنا چھوڑ دو۔۔۔۔ یہ تمہیں گمراہ کرتے ہیں۔

ارے نہیں باجی ماں باپ کی غیرت ہوں اس لئے بڑی حساس واقع ہوئی ہوں۔ ناول تو حساسات کا ذریعہ بنتے ہیں۔ یہ گمراہ نہیں کرتے بلکہ تاریک کے ساتھ روشن پہلو بھی ہوتے ہیں۔ انسان کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے۔

ہو جاتی ہوگی لیکن تم مت پڑھا کرو۔ تمہیں وحشت نہیں ہوتی چوبیس گھنٹے مغز کھپاتی رہتی ہو۔

ارے باجی آپ کو کیا معلوم کہ جب ہیرو اپنی ہیروئین سے زندگی ایک ساتھ نبھانے کی باتیں کر رہا ہوتا ہے کیسے کیسے وعدے اور جھوٹ بول رہا ہوتا ہے اور اگر سچ بھی بول رہا ہوتا ہے تو کبھی ماں باپ آڑے آجاتے ہیں۔ اور کبھی رشتے دار۔

اور کئی غریبوں کی شادی ہو بھی جائے تو پھر وہی ہیرو اپنی ہیروئین میں سینکڑوں کیڑے ڈال کر دوسری ہیروئین کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

تو تم اس قسم کے ناول پڑھتی ہو۔

آپ یوں فرما رہی ہیں جیسے میں خود لکھتی ہوں۔

شرم کیا کرو۔

ادیب کو شرم نہیں آتی پہلے اچھی خاصی لڑکی کو بغاوت پر اکساتا ہے۔ اور اسے احساس دلاتا ہے کہ اس نے غلطی کی اور خود ہی اسے سزائیں دے

دے کر مارتا رہتا ہے۔ پتہ نہیں یہ قلم کار لوگ اپنے آپ کو خدا کیوں سمجھتے ہیں

آخر تمہارا ان باتوں سے مطلب کیا ہے۔

وقت گذار رہی ہوں۔

کسی اور موضوع پر بات کرو۔

ایک حقیقت یہ ہے کہ مجھے جناب کے کمرے میں سونا پڑتا ہے۔ ورنہ آپ کو میری بور باتوں سے نجات مل جاتی۔

زبیدہ نے گھور کر اسے دیکھا۔ اور منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

اس طرح ان دونوں کے دن بیتتے گئے۔ زندگی کی دھوپ چھاؤں کے کھیل جاری رہے۔ دو ماہ کے اندر اندر اپنی کرایہ دار شمیم عرف شمو سے وہ ضرورت سے زیادہ بے تکلف ہو گئی تھی۔ اور شمو نے بھی اپنا اعتماد پورے گھر پر جما لیا تھا۔ گھر کا کوئی کام بھی ہوتا تو شمو پیش پیش ہوتی۔ اور اکثر وہ سکینہ کا ہاتھ بھی بٹانے بیٹھ جاتی۔ شمو کا شوہر امجد خود بھی پُرخلوص انسان تھا۔ کسی دفتر میں کلرک تھا کہ شمو کی وجہ سے جو چولہا کبھی کبھا جلتا نہیں تھا جلنے لگا تھا۔ سکینہ بی بی اس پر اعتماد ہی کرتی تھی بلکہ یہاں تک کہتی تھی کہ میری اپنی بیٹی کوئی بیاہی ہوتی تو شاید اتنا کچھ نہ کرتی۔

اور شمو ہنس دیتی تھی۔ بازار کہیں اگر جانا ہوتا تو شمو عبیدہ یا زبیدہ کے ساتھ ہوتی۔ وہ سکینہ سے کہتی خالہ جان زمانہ اچھا نہیں جوان لڑکیاں ہیں ان کو تنہا بازار مت بھیجا کریں۔ یہی وجہ تھی کہ سکینہ اسے ساتھ بھیج دیا کرتی تھی اور اس طرح دو ماہ گزر گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ دونوں لڑکیاں نوٹوں کی مشین ہیں۔ ایک رات بستر پر لیٹتے وقت امجد شمو سے کہہ رہا تھا۔

بڑی بہت تیز نگاہ رکھنے والی ہے۔ البتہ عبیدہ کو جب چاہو اور جہاں چاہو لے جا سکتے ہو۔

ہم کو پورے دو ماہ ہو گئے ہیں۔

مال بھی تو اچھا ہے۔ شمو مسکرائی۔

پھر کب اڑن چھو ہو جائے۔

وقت آنے پر بتا دوں گی۔ ویسے کتنے دام مل جائیں گے۔

کم از کم بیس ہزار۔ ۔ ۔ امجد خباثت سے مسکرایا۔

اور شمو اسے آنکھ مار کر بولی۔

تم مجھ سے شادی کب کر رہے ہو۔

شادی کے بغیر بھی تو کام چل رہا ہے۔

میرا خیال ہے کہ ہم دونوں کو شادی کر لینا چاہیئے۔

رشتے میں تم میری بھانجی ہو۔ امجد اسے گھور کر بولا۔

تو کیا یہ رشتہ شادی کرنے سے روکتا ہے۔ شمو نے اسے گھور کر دیکھا۔

بہت سے مسئلے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ تمہارے اور اپنے بزرگوں کو پیش کرنا پڑے گا۔ اور ابھی تعلقات ان لوگوں سے اس قدر نہیں کہ انہیں رشتے دار بنایا جائے۔

لیکن مجھے عجیب سا لگتا ہے۔

کیا عجیب سا لگتا ہے۔ کہ ہم زندگی میاں بیوی بن کر نہیں گذار رہے

کیا تمام عمر

یوں ہی گذار دیں گے۔ اگر کوئی بچہ وچہ ہو گیا تو۔

پہلے ہوا ہے جواب ہو گا۔

لیکن میں ماں بننا چاہتی ہوں۔

بچے حرامی کہلائیں گے۔

اس لئے تو کہتی ہوں کہ کسی مولوی کو کچھ دے دلا کر نکاح پڑھوا لیں۔

نہ جانے کیوں عجیب سی گھٹن کا احساس ہوتا رہتا ہے۔

ہم بات کر رہے تھے ان دونوں کبوتریوں کی ان کا کچھ کرو۔ پھر نکاح کے بارے میں سوچیں گے۔ امجد نے اسے بزنس کی طرف لانے کی کوشش کی

ابھی کچھ دیر ٹھہر جاؤ۔ بس چند دن اور پھر پروگرام بھی ایسا ہو کہ دونوں کو ساتھ لے کر جانے کا موقع مل جائے کیونکہ اکثر ایک جاتی ہے اور ایک گھر میں رہ جاتی ہے۔ کوئی ایسا پروگرام تیار کرو کہ دونوں ایک ساتھ گھر سے نکلیں اور پھر دوبارہ نہ لوٹ سکیں۔

صبر کرو اور ٹھنڈی کر کے کھاؤ۔ آم بہت میٹھے ہیں۔

مجھے خود بھی اندازہ ہے۔ دیکھا جائے تو اب تک کرایہ کے علاوہ چھ سو روپیہ اس گھر پر خرچ ہو چکا ہے۔

ایسے کاموں میں ایسا ہی ہوتا ہے خرچ تو کرنا پڑتا ہے۔

لیکن میرے پاس رقم ختم ہونے والی ہے۔ امجد نے اسے مالی مسائل سے خبردار کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور شمو نے پرتفکر انداز میں سر کو خفیف سی جنبش دیکر اسے احساس دلایا کہ وہ جانتی ہے۔

پھر دوسرے دن وہ جب عبیدہ کے پاس نیچے آئی تو وہ کوئی ناول پڑھ رہی تھی۔ قریب ہی زبیدہ کروشیئے کا کام کر رہی تھی۔

زبیدہ تم اسے روکتی نہیں۔ یہ ہر وقت اپنا سر کھپاتی رہتی ہے۔

باجی تم پریکٹیکل کرتی ہو اور میں صرف تھیوری پر گذارا کرتی ہوں اور جناب کو یہ بھی ناگوار گزرتا ہے۔

یہ کیا کہہ رہی ہے زبیدہ۔ شمو ہنس کر بولی۔

بس یوں ہی بکواس کر رہی ہے۔

یہ پریکٹیکل اور تھیوری کا کیا چکر ہے۔

اس سے معلوم کرو۔ زبیدہ مسکرا کر بولی۔

کیوں عبیدہ کچھ ہم کو بھی بتاؤ۔

آپ شادی شدہ ہیں۔

شمو کا دل ایک دم دھڑک اٹھا۔ کیونکہ دل میں چور تھا۔ اور وہ سمجھ بیٹھی کہ کہیں یہ تیز طرار لڑکی جان تو نہیں گئی کہ ہم دونوں میاں بیوی نہیں ہیں۔

کیا کہنا چاہتی ہو۔ شمو نے مسکرانے کی کوشش کی۔

یہی کہ آپ شادی شدہ ہیں اس لئے آپ کو بتلاتے ہوئے شرم آئے گی میں اب بھی نہیں سمجھی۔

عبیدہ نے مسکرا کر بہن کی طرف دیکھا جو اسے گھور رہی تھی۔ اور عبیدہ مسکرا

دی۔ پھر ناول ایک طرف رکھتے ہوئے بولی۔ مخاطب شمو سے ہی تھی۔

آپ نے کبھی ناول پڑھا ہے۔

ایک بار ہی پڑھا تھا۔ پھر کبھی اتفاق نہیں ہوا۔

میں آپ کو لا دوں گی۔

لیکن میں پڑھنا نہیں چاہتی۔ میں دس منٹ مسلسل پڑھوں تو سر میں درد شروع ہو جاتا ہے۔

اچھا چلئے یہ بتا دیجئے کہ جب آپ امجد بھائی سے پیار کرنا چاہتی ہو گی تو کیا کہتی ہو گی۔

پپ پاگل ہو گئی ہو۔

نہیں بتاؤ۔ امجد بھائی سے پیار کرتے وقت کون سے الفاظ استعمال کرتی ہیں۔ آپ .... فرض کیجئے آپ کا سر اُن کے سینے پر رکھا ہوا ہو اور ان کے ہاتھ آپ کے سیاہ بالوں میں الجھ رہے ہوں۔ کبھی کھل رہے ہوں اور آپ کی آنکھیں بھی بند ہوں پھر اس وقت آپ پہلا جملہ کیا ادا کریں گی۔

بدتمیز۔ شمو شرم سے سرخ ہو گئی۔ آخر عورت تھی عبیدہ کی بات سمجھ گئی تھی۔

گھبرائیے نہیں مجھے معلوم ہے کہ آپ کیا کہیں گی۔ عبیدہ نہایت سنجیدہ تھی۔

کیا کہو گی۔ شمو بولی۔

آپ کہیں گی .... جان .... تمہارے انداز اب وہ جوش نہیں رہا۔ شاید میں پرانی ہو گئی ہوں۔ تم مردوں کی ذات ہی ایسی ہے ایک عورت سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جلدی اکتا جاتے ہو۔ ۔ ۔ پہلے تمہاری بانہوں میں کتنا زور ہوتا تھا جب سینے سے لگا کر بھینچتے تھے تو ہڈیاں کڑکڑا جاتی تھیں۔ ۔ ۔ اور اب میں سینے لگی کھڑی ہوں لیکن تمہاری بانہوں کو شاید فالج ہو گیا ہے حرکت تک نہیں کرتیں

شمو کھل کھلا ہنس پڑی اور بولی۔

خدا کی قسم اب تمہاری شادی ہو جانا چاہیئے۔ میں خالہ جان کو کہہ کر تمہارے لئے کوئی اچھا سا لڑکا تلاش کرنے کو کہتی ہوں۔

اُن کے کان پر جوں تک نہیں رینگے گی۔

کیوں؟

کیونکہ پوری دنیا کے لڑکے مر کھپ گئے ہیں۔ اگر نہیں مرے تو ان کی آنکھیں خراب ہیں۔ ٹکڑے پڑے ہیں ان کی آنکھوں میں جو ہم دونوں بہنیں انہیں نظر نہیں آتیں۔

مجھے مت گھسیٹو درمیان میں۔ زبیدہ نے اسے گھورا

نہیں باجی سچ کہتی ہوں۔ ہم دونوں کے نصیب پھوٹ گئے ہیں۔

وہ کیسے۔؟ شمو نے اس کی چٹکی لی۔

میری باجی کے اندر محبت کے جراثیم نہیں۔ لہذا برف کی طرح ٹھنڈی ہونے کے ناطے انہیں ابھی اپنی جوانی کا خیال ہی نہیں آیا کہ وہ جوان ہو گئی ہیں۔ لہذا میری قسمت بھی پھوٹ گئی کہ چھوٹی ہوں۔ جب تک گھر والے انہیں رخصت نہیں کریں گے میری باری نہیں آ سکتی۔

کیا تم سنجیدہ ہو۔

سنجیدہ نہیں رنجیدہ ہوں۔ عبیدہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

خدا سمجھے تم سے۔ بہرکیف میں خالہ جان سے بات کرونگی۔ میرے خاندان میں ایک دو لڑکے ہیں اگر وہ پسند کرلیں تو بات چلاؤں۔

آپ کس کمبخت کی باتوں میں آ گئی ہیں۔ باجی شمیم یہ تو یوں ہی انٹ شنٹ بکتی رہتی ہے۔

نہیں باجی شمیم آپ بات بڑھائیں اگر باجی کا ارادہ نہیں تو میں کر لونگی اگر ماں نے حامی نہ بھری اور اگر لڑکا اچھا ہوا تو خود بھاگ جاؤں گی۔

اللہ میری توبہ۔ ۔ ۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے۔

نوبت کھٹک چکی ہے۔ گلی گلی صدا دیتی پھر رہی ہوں کہ کوئی ہے اللہ کا پیارا جو ہم دونوں بہنوں کو مفت کا مال سمجھ کر لے جائے۔

اگر مزید تم نے بکواس کی تو پیٹ ڈالوں گی۔ زبیدہ نے تلملا کر کہا۔

سچ بات ہر ایک کو کڑوی لگتی ہے عبیدہ منہ بنا کر بولی۔

بس اب خاموش۔ زبیدہ نے اُسے وارننگ دی۔

آہ خاموش رہ رہ کر تو جوانی جلے جا رہی ہے۔

کیا واقعی پٹنے کا ارادہ ہے۔ زبیدہ نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

عبیدہ نے نہایت سنجیدگی سے شمو کی طرف دیکھا اور بولی۔

تم کچھ کرو باجی۔ ۔ ۔ میرے باپ سے بھی بات کرنا چاہو تو کر لو۔ بس لڑکا ایسا نہ ہو کہ میری کمر اور اس کی کمر کا ناپ ایک جیسا ہو۔

اٹھ کر تھپڑ مار دوں گی۔ ۔ ۔ ۔ زبیدہ غرا کر بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں باجی شمیم کو بلا کر نہیں لائی ۔ یہ خود ہی خدا کے خوف سے چلی آئی ہیں
خدا کی نیک بندی چپ ہو جاؤ ۔ کیوں انٹ شنٹ بکے جا رہی ہو ۔
زبیدہ زچ ہو کر بولی ۔
باجی شمیم آپ میری پیاری باجی کو مشورہ دیں کہ یہ کہیں بھاگ جائیں
لعنت ہے تم پر ۔ ۔ ۔ زبیدہ جھلا کر بولی ۔ اور اپنے کروشیئے کے کام کی
طرف متوجہ ہو گئی ۔ اور عبیدہ نے زور سے قہقہہ لگایا پھر شمو سے بولی ۔
باجی کے جذبات پر چوبیس گھنٹے اوس پڑی رہتی ہے ۔ کیونکہ یہ سطح زمین
پچیس ہزار فٹ بلندی پر رہتی ہیں ۔ وہاں آکسیجن بھی کم ہوتی ہے اور سردی
یہ انتہا ہوتی ہے کہ انسان برف ہو جاتے ہیں ۔
بکے جاؤ ۔ زبیدہ خفیف ہو کر ہنس پڑی ۔
آؤ باجی شمیم ہم دونوں باہر بیٹھتی ہیں ۔ ورنہ یہاں کا موسم خراب ہو جائے
عبیدہ اٹھتے ہوئے بولی اور شمو یہ کہتی ہوئی اٹھ گئی ۔ تو بڑی شریر ہے ۔ خالہ جان
سے کہہ کر تمہارے لئے کچھ کرتی ہوں ۔
رات پھر شمو دونوں بہنوں کے کمرے میں آ گئی زبیدہ کروشیئے کا کام کر
تھی ۔ اور عبیدہ اپنے بستر پر نیم دراز کوئی ناول پڑھ رہی تھی ۔ یہ ناول تم نے
دوپہر رکھا ہے ۔ کیا ابھی تک ختم نہیں ہوا ۔
تین بچوں کی ماں کو ایک چھ بچوں کے باپ سے عشق ہو گیا ۔ اور وہ بچوں
کو چھوڑ کر اس کے ساتھ بھاگ گئی ۔
یہ اخبار کی خبر ہے یا تمہارے اس ناول میں لکھا ہے ۔

ناول میں لکھا ہے ۔
کیا ناولوں میں اس قسم کی کہانیاں ہوتی ہیں ۔
یہ خطرناک کہانی ہے ۔ بھاگنے والے جب غیر شادی شدہ تھے تو عشق کرتے
تھے لیکن والدین نے دونوں کو ایک نہیں ہونے دیا
مرد کی شادی ہو گئی ۔ اور ہیروئین کی بھی شادی ہو گئی ۔ کہ دونوں ایک
جگہ یکجا ہو گئے ۔ ماضی کے ورق الٹے گئے ۔
ہیرو نے اپنی پریشانیوں کا ذکر کچھ اس انداز سے کیا کہ ہیروئین پھسل
گئی پھر کچھ عہد و پیماں ہوئے اور طے پایا کہ اپنے اپنے گھر والوں سے انتقام
لینے کے لئے ہم دونوں پھر سے یکجا ہوئے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ محبت
کبھی نہیں مر سکتی ۔
لعنت ہو اس ادیب پر ۔ ۔ ۔ زبیدہ غرا کر بولی ۔
باجی آپ حقائق سے واقف نہیں ہیں ورنہ آپ یہ نہ کہتی ۔
بند کرو اپنی بکواس کیا اوٹ پٹانگ چیزیں پڑھتی رہتی ہو ۔
شرم کرو ۔ زبیدہ تپ کر بولی ۔
میرا خیال ہے ۔ عبیدہ کوئی خاص بات کہنا چاہتی ہے ۔
شمو نے اُسے سہارا دیا ۔
نہیں اب کچھ بھی نہیں کہوں گی ۔ ویسے ناول نگار کچھ کہنا چاہتا ہے ۔
شاید یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے ۔ کہ ایسی عورتیں کبھی سکھی نہیں رہتی جو ۔ اپنے جذبات
پر اولاد کو قربان کرتی ہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہانی کا چھوٹا ہے۔ کوئی عورت اولاد کو نہیں چھوڑتی۔

میرے پاس ہزاروں مثالیں موجود ہیں باجی۔ اخباروں میں آئے دن ایسی خبریں چھپتی رہتی ہیں کہ چھ بچوں کی ماں اپنے آشنا کے ساتھ بھاگ گئی۔

آخر تم اس قسم کی باتیں کیوں کرتی ہو۔ زبیدہ اُسے گھور کر بولی میں جانتی ہوں کہ آپ اردگرد کے ماحول پر نظر ڈالیں اور دیکھیں باہر کیا ہو رہا ہے لیکن آپ ہیں کہ کروشیئے کے ساتھ بندھ کر باسی روٹی کا ٹکڑا بنتی جا رہی ہیں

اوئے تم دونوں چھوڑو ان باتوں کو تمہارے دولہا بھائی چار ٹکٹ لائے ہیں۔ انہیں اپنے تعلقات کی وجہ سے مفت مل گئے ہیں۔ الحمرا آرٹ کونسل میں ایک مزاحیہ پروگرام چل رہا ہے ویسے تو اس کا ٹکٹ پچاس روپے تھا۔ لیکن جب مفت کے ہیں تو ضائع کیوں جائیں۔ پھر کیوں نہ ہیں تم دونوں کو ایک نئی دنیا کی سیر کرا ہی لاؤں۔

واہ باجی شمیم یہ ہوئی نا بات۔ کیوں باجی یہ الحمرا دیکھا نہیں بس ایک بار سامنے سے گذر ضرور تھے یاد ہے جب چڑیا گھر گئے تھے وہاں کتنے خوبصورت نام لکھے ہوئے تھے۔ پھر کیوں نہ یہ حسرت پوری کر لی جائے۔

امی سے اجازت لے لو۔

آپ بڑی ہیں امی آپ کی بات نہیں ٹالے گی۔

میرا خیال ہے باجی شمیم خود بات کرے تو اجازت مل جائے گی۔

زبیدہ مسکرا کر بولی۔ کیونکہ اسے بھی شوق تھا الحمرا دیکھنے کا۔

آج اس کی آرزو پوری ہو رہی تھی۔

ٹھیک ہے میں خالہ سے بات کروں گی۔ . . . شمو خوش ہو کر بولی۔ کیونکہ اسے خطرہ تھا کہ زبیدہ کیونکہ ایک سنجیدہ قسم کی لڑکی ہے کہیں انکار نہ کر دے۔ لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ وہ تیار ہے تو شمو کا دل بڑی تیزی سے دھڑک اٹھا اور یہ خوشخبری اس نے امجد کو جا سنائی۔

خوب بہت خوب . . . تم ہو ہی بڑے کام کی شے۔ آؤ میں تمہارا منہ میٹھا کرا دوں۔

ارے چھوڑو . . . . میں تمہارے لئے تو چاند ستارے لا سکتی ہوں۔ شمو مسکرا کر بولی۔ اور امجد نے اسے گود میں بھر لیا۔

پھر کچھ دیر بعد دونوں زندگی کا ایک خطرناک ترین پروگرام ترتیب دے رہے تھے پکڑے جانے کا کوئی خطرہ تو نہیں۔" شمو نے شکوک کی سیاہ لکیر کھینچی۔ ایسے کاروبار میں بہت سے خطرات ہوتے ہیں۔ لیکن مضبوط قوتِ ارادی دولت کو گھر کا راستہ دیکھاتی ہے۔ اور میری جان دنیا کا کوئی جرم پولیس کے بغیر وجود میں نہیں آتا۔ چوریاں، ڈکیتیاں، نوسر بازیاں قتل اور سمگلنگ یہ سب کسی نہ کسی بڑے آدمی کی چھاؤں میں پرورش پاتا ہے اور وہ بڑا آدمی اپنے علاقے کے پولیس آفیسر کو ہمیشہ خوش رکھتے ہیں۔ تم نے اکثر اخبار میں پڑھا ہو گا کہ فلاں جگہ سے اتنے من چرس، شراب کی بوتلیں اور ہیروئین پکڑی گئی۔ لیکن تم نے کبھی یہ خبر نہیں پڑھی ہو گی کہ اسے ضائع کس طریقہ سے کیا گیا۔ بلکہ ہوتا یہ ہے کہ آگے بڑھے بغیر کسی دوسرے بڑے آدمی رقم لے کر فروخت کر دیتے ہیں۔ میرا مطلب ہے ایسی چیزیں جو دولت پیدا کرتی ہوں ضائع نہیں کی جاتیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ورنہ ہر جرم ختم ہو جاتا اور ہر نشہ آور شے ناپید ہو جاتی۔

وہ تو سب ٹھیک ہے۔ لیکن تمہارے پاس کون سا بڑا آدمی ہے۔ شموا مجد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

جب دولت پیدا کرنی ہوتی ہے تو ذرائع خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ تم فکر مت کرو۔

کبھی کبھار سوچتی ہوں کہ تمہارے ساتھ بھاگ کر میں نے کچھ اچھا نہیں کیا۔ گاؤں میں کس قدر آزاد زندگی تھی۔

لیکن اس کے باوجود معمولی معمولی شے کو ترستی تھی اور اب عیش کر رہی ہو کبھی کبھار گاؤں بہت یاد آتا ہے۔ اب تو واپس بھی نہیں جا سکتی۔

پورے گاؤں میں شور بپا ہو گیا ہو گا کہ شمو ماموں کے ساتھ شہر گئی اور گم ہو گئی۔

اور تمہارے بارے میں گاؤں والے اچھے خیالات نہیں رکھتے ہوں گے رشتے کو گولی مارو۔۔۔ سب فضول باتیں ہیں۔ تم بھی جوان تھیں اور میں بھی جوان تھا۔ عمر کا فرق صرف آٹھ سال کا تو ہے۔ اور یہ فرق کوئی خاص فرق نہیں ہے آج تو پندرہ پندرہ سال کا فرق ہوتا ہے۔

شمو کھل کھلا کر ہنس پڑی،

کیوں دانت نکال رہی ہو۔

مجھے جب احساس ہوتا ہے کہ تم میرے رشتے میں ماموں ہو تو ہنسی آ جاتی ہے۔ کہ یہ کیسا رشتہ ہے۔

ان رشتے ناطوں میں مت پڑا کرو۔ آؤ پیار کریں

کیوں آج رات ہماری یہاں آخری رات ہے۔

الحمرا سے انہیں لے کر کہاں جائیں گے۔

کل سب انتظام کر کے تمہیں بتا دوں گا۔ اور میں چاہتا ہوں اس آخری رات کو تمہارے لئے یادگار بنا دوں۔ جاؤ الماری سے بوتل نکال کر لاؤ خود بھی پیو اور مجھے بھی پلاؤ۔

زیادہ مت پینا۔ تم نشہ میں بہت اوٹ پٹانگ حرکت کرنے لگتے ہو۔

الٰہی حرکتوں میں زندگی ہے۔ امجد مسکرا کر بولا۔ شمو اٹھ کر بوتل نکال لائی جو انہوں نے سنبھال کر ایسے وقت کے لئے رکھی ہوئی تھی۔ امجد نے شمو کو بھی شراب کا عادی بنا دیا تھا۔ پہلے پہل تو وہ انکار کرتی رہی تھی پھر آہستہ آہستہ اس کا ڈر خوف جاتا رہا پینے کے بعد اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے زندگی اس کا نام ہے۔

جب دو دو گلاس دونوں نے ختم کر دیئے تو شمو بہک کر بولی۔

یہ عبیدہ اپنے آپ کو خان زادی کہتی ہے اور ناول بڑے عشقیہ پڑھتی ہے ایسی لڑکیاں جذبات کے معاملے میں بہت خطرناک ہوتی ہیں۔ کیونکہ تھیوری تو ان کے پاس ہوتی لیکن ماحول کے گھٹن کی وجہ سے پریکٹیکل سے بہت دور ہوتی ہے لیکن تم فکر مت کرو ان دونوں کو پریکٹیکل تھیوری کے حساب سے ملے گا۔ امجد قہقہہ مار کر بولا۔ البتہ جان ذرا احتیاط سے کام لو۔ نیچے آواز جا سکتی ہے۔ وہ سب اپنے کمروں میں سو رہے ہیں اور پھر گیارہ بج رہے ہیں۔ سردراتوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے گیارہ آدھی رات کا پتہ دیتے ہیں۔

پھر بھی احتیاط۔۔۔ کیونکہ میرا کردار ان کی نظروں میں بہت اچھا ہے۔ اور پھر کل ہم لوگوں نے اپنے کردار کا آخری کیل اس مکان میں ٹھونکنا ہے۔ اور ہاں تم ایک گلاس مزید تیار کرو۔ نشہ ابھی کم ہے۔ امجد مسکرایا۔۔۔ اس نے اپنے لئے اور شمو کے لئے ایک ڈبل ڈوز تیار کیا اور بولا۔

یہ آخری ہونا چاہیئے کیونکہ اس کے بعد ہم دونوں جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

شمو نشہ کی وجہ سے کھل کھلا کر ہنس پڑی اور امجد نے اسے بڑی گہری نظروں سے دیکھا۔

کیا ہے؟

اچھی لگ رہی ہوں۔

اچھی نہ لگتی تو بھابی کو اغوا کیوں کرتے۔

اغوا نہیں — اچھی زندگی گزارنے ساتھ آئی ہو۔ اور دیکھ لو جو کچھ میں نے تمہیں دیا ہے۔ شاید تم مر کر بھی حاصل نہ کر سکتیں۔ ویسے تو تمہاری شادی ہی ہونا تھی۔ غریب گھروں میں لڑکیاں ماں باپ کے آنگنوں میں جوانی بتا دیتی ہیں اور ان کو کوئی بر نہیں ملتا۔ اور جب ملتا ہے تو کوئی بوڑھا ملتا ہے اور۔

ختم کرو۔ میں مطمئن ہوں۔ شمو اٹھلا کر بولی۔

امجد مسکرایا۔۔۔ اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

تمہاری آنکھوں میں پڑنے والے سرخ سرخ ڈوروں کی قسم تم اس وقت

بہت حسین لگ رہی ہو۔

شمو مسکرائی اور گلاس سے دو گھونٹ پیتے ہوئے بولی۔

اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے تم نے مجھے۔

جس پر امجد نے پھر قہقہہ لگایا اور پھر رات کے دو بجے تک اپنی زندگی کا لطف اٹھاتے رہے۔ جب دس بجے شمو کی آنکھ کھلی تھی اور وہ بھی دروازہ پیٹے جانے پر دروازہ پیٹنے والی عبیدہ تھی

میں سمجھی تھی شائد باجی اور دولہا بھائی اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔

امی کہنے لگیں جا کر معلوم کرو۔ آپ اتنی دیر سے اٹھنے والی نہیں ہیں۔

رات دیر سے آنکھ لگی تھی۔

دولہا بھائی نے کام پر نہیں جانا۔

کام کا وقت نکل گیا۔ اب کل ہی جائیں گے بے سدھ سو رہے ہیں۔

شمو اسے آنکھ مار کر بولی۔

لاحول ولا قوت بے شرم باجی۔ اتنا کہہ کر عبیدہ دروازے سے لوٹ آئی کون تھی: امجد کی آواز ابھری۔

خان زادی۔

رات بھر تم نے جگایا ہے۔ امجد انگڑائی لے کر بولا۔

تم نے جگایا ہے یا میں نے۔

ہم دونوں نے ایک دوسرے کو جگایا ہے۔ امجد بستر سے اٹھتے ہوئے بولا۔ نجانے میرا دل کیوں لرز رہا ہے کہ ہم ایک بہت ہی غلط کام کر رہے ہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

امجد نے اسے گھور کر دیکھا، اور بولا۔

یہ کوئی نیا کام تو نہیں۔ تیسری بار کر رہے ہیں۔ وہ لڑکی شادی دیا دہے جس کے پورے آٹھ ہزار لئے تھے، اور۔۔

یاد ہے۔ لیکن وہ ایسی سوسائٹی کی تھی کہ اس کا کچھ نہیں بگڑا تھا۔ بلکہ اسے بھی کافی رقم مل گئی تھی۔ لیکن یہ لڑکیاں بار ہو لگتی ہیں۔

اگر گڑبڑ ہو گئی تو بچنا مشکل ہو جائے گا۔

نہیں وقت پر دل چھوٹا مت کرو۔ اور نہ ہی بدشگونی کرو۔ چلو کوئی سی قسم کی چائے بنا دو۔ بلکہ دو مگ بنا دو جسم ٹوٹ رہا ہے۔

رات کو ادھم کم مچانا تھا لوں معلوم ہو رہا تھا کہ ہر کولیس تمہارا ہی نام ہے۔

اس قسم کی سچوئیشن میں ہر انسان دم پر کھڑا ہو جاتا ہے۔

اور تم بھی دم پر کھڑے تھے۔

چلو چائے بنا دو۔۔۔۔ پورا جسم ٹوٹ رہا ہے۔ امجد نے اس کی کمر پر زور سے ہاتھ مارا۔ اور شمو منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی

پھر دوپہر کو اس نے خالہ سکینہ سے الحمرا جانے کی اجازت لی تھی۔

اور بڑے وثوق سے کہا گیا تھا کہ آپ گھبرائیے نہیں امجد بھی ساتھ چل رہے ہیں۔ کبھی کبھار بچوں کو باہر گھوم پھر آنا چاہیئے۔ دونوں کافی دنوں سے کہہ رہی تھیں لیکن امجد کو دفتر میں کام بہت تھا اور پھر پاس بھی کسی واقف کار سے لینا تھا جو کل مل گیا تھا۔

ٹھیک ہے بیٹی لے جاؤ لیکن واپسی کب ہو گی۔

یہی دس بجے رات تک گھر آجائیں گے۔

سکینہ نے اسے اجازت دے دی اور اسی وقت دونوں بہنوں کی بدنصیبی کا دور شروع ہو گیا۔

دونوں بہنیں تیار ہوئیں۔ زندگی میں پہلی بار کسی ایسی جگہ جانے والی تھیں جہاں جانے کا خواب دیکھا کرتی تھیں اور اس بات سے بے خبر زمانے کا تماشا بننے والی ہیں۔

گلی کے کارنر پر امجد بندوین لئے انتظار کر رہا تھا۔ اور اس بات کا علم دونوں بہنوں کو تھا۔ کیونکہ شمو نے انہیں یہی بتایا تھا کہ کرایہ زیادہ لگتا ہے اور رات کو ٹیکسی نہ ملنے کی وجہ سے تمہارے دولہا بھائی نے کسی دوست سے مانگ لی ہے۔ دونوں خوش تھیں زندگی میں پہلی بار گاڑی میں بیٹھ کر الحمرا جانے والی تھیں۔ امجد نے ان دونوں کو وین کے پیچھے بٹھا دیا۔ اور شمو آگے شوہر کے ساتھ بیٹھ گئی۔ شمو نے مٹھائی کا ڈبہ دونوں کی طرف بڑھا دیا۔

یہ لو خان زادی منہ میٹھا کرو۔

کیسی مٹھائی ہے یہ۔

ایک شاگرد نے لا کر دی تھی۔ میں نے کچھ دفتر میں ہی بانٹ دی۔ اور کچھ گھر اٹھا لایا۔ امجد بڑی اپنائیت سے بولا۔

دونوں نے ایک ایک لڈو لے کر ڈبہ شمو کو واپس کر دیا۔ دونوں نے لڈو کھا کر اپنی بدنصیبی پر مہر لگا دی۔ وہ تقریباً دس منٹ بعد بیہوش پڑی تھیں اور امجد گاڑی اندھا دھند کسی نامعلوم منزل کی طرف دوڑا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہا تھا۔

شمو نے پلٹ کر دونوں بہنوں کو دیکھا اور فرطِ جذبات سے لرزتے ہوئے بولی۔

ہم کامیاب ہو گئے امجد۔

تمہارا ساتھ ہو تو کامیابی نہ ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے جان۔

امجد خجالت سے مسکرایا تھا۔ اور پھر گاڑی رات کا سینہ چیرتی ہوئی شہر سے کہیں دور نکلتی جا رہی تھی۔

سرد رات کے جب ساڑھے دس بجے تو سکینہ کے دل کو ہول اٹھنے لگے۔ شوہر نے اسے گھور کر گھڑی پر وقت دیکھا تھا۔ اور بولا دس بجے انہیں لوٹ آنا تھا نا۔

وہ یہی کہہ کر گئی تھی۔ سکینہ بیٹھے بیٹھے پُرتشویش انداز میں بولی۔

اور اب دس بیس ہو رہے ہیں۔ آخر تمہیں دونوں کو ان کے ساتھ بھیجنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔

مت ماری گئی تھی۔

ناصر کو بلواؤ۔ اکبر خان تیزی سے بولا، ناصر بیٹے کا نام تھا۔ جو موٹر مکینک کا کام سیکھ رہا تھا۔

اس سے کیا کہو گے، وہ پہلے ہی مجھ سے منہ ماری کر چکا ہے۔

تم ذمے دار عورت نہیں ہو۔ دو جوان بیٹیوں کو یوں ہی غیروں کے ساتھ بھیج دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیونکہ ماں تھی۔ جوان بیٹیوں کی ماں ؟۔

میں پوچھتا ہوں کہ اگر وہ گھر نہ لوٹیں تو کیا کریں گے ہم لوگ کیا تمام رات انتظار کرتے رہیں گے۔

شائد تم درست کہہ رہے ہو۔ اکبر خان پریشان ہو کر بولا۔ اور پھر تینوں انتہائی عجیب وہموں، ولولوں اور اندیشوں میں گھرے وقت گذارتے رہے۔ ساڑھے گیارہ بجے ناصر اٹھ گیا۔

آیئے پولیس اسٹیشن چلیں۔

خدایا رحم کر۔ ہماری عزت تیرے ہاتھ میں ہے۔

خدا نے کیا مشورہ دیا تھا کہ انہیں الحمرا ڈرامہ دیکھنے بھیج دو۔

میرے منہ مت لگو لڑکے کچھ کرو۔ سکینہ سینہ پیٹتے ہوئے بولی۔ اور پھر کچھ دیر بعد دونوں باپ بیٹا علاقے کے پولیس اسٹیشن پر موجود تھے۔ اے۔ ایس۔ آئی نے پوری بات سن کر دونوں کو گھور کر دیکھا اور بولا۔

غیر ذمہ داری کا کام تم لوگ کرتے ہو اور مصیبت ہم لوگوں پر ڈال دیتے ہو۔

جاؤ دیکھو جاکر انہیں شائد لوٹ آئے ہوں۔ ناصر نے اسے وقت کی اہمیت کا احساس دلایا۔

مجھے معلوم ہیں بارہ بج رہے ہیں۔ گھڑی میں نے بھی باندھ رکھی ہے ایک بار دیکھ ہی لو۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو صبح پھر آجانا۔ ویسے وہ دونوں میاں بیوی کس قسم کے لوگ تھے۔

دیکھنے میں شریف لگتے تھے۔

سامان کتنے کا تھا ان کا۔

کچھ برتن ہیں۔ چولہا ہے اور ایک چارپائی کے علاوہ صرف ایک اٹیچی ہے جس میں ان کے کپڑے وغیرہ تھے۔

اس قدر مختصر سامان۔ اے ایس آئی نے دونوں کو گھور کر دیکھا۔ اور پھر مزید بولا ان کے بچے بھی نہیں تھے اور تم لوگوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ آئے کہاں سے تھے۔

ہم کو کچھ نہیں معلوم جناب آپ کچھ کریں۔

وہ تو ہم کریں گے ہی۔ آپ گھر جائیں اگر وہ نہ آئے ہوں تو صبح آنا پھر رپٹ لکھیں گے۔ ایسے ہی کاغذات مت خراب کراؤ پہلے ہی بہت مہنگے ہو گئے ہیں۔

دونوں باپ بیٹا پریشانی سے اٹھ کر واپس لوٹ آئے۔ اور دونوں دل میں خدا سے ہزاروں دعائیں مانگ رہے تھے کہ وہ گھر پہنچ چکی ہوں۔

ساری رات جاگتے ہوئے اور ہزار اندیشوں کے درمیان تیزی سے نکال دی اور پھر صبح ہوتے ہی دونوں باپ بیٹا پولیس اسٹیشن جا پہنچے تھے۔ دونوں بھوکے تھے۔ چہرے اترے ہوئے تھے۔ اے۔ ایس۔ آئی دوسرا تھا۔ ایک بار پھر انہیں پورا واقع بتانا پڑا اور بہت تفصیل سے سنانا پڑا۔

یہ آج کل کی لونڈیاں ڈرامے بہت دیکھتی ہیں۔ کیوں پہلے بھی کبھی گئی تھیں۔

جی نہیں پہلا موقع تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ دونوں خانہ خراب کب سے کرایہ دار تھے۔

تین ماہ سے۔

کیسے لوگ تھے۔

میں کیا بتا سکتا ہوں جناب۔ اب آنکھیں کھلی ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ سب کچھ لٹا کر ہوش میں آئے تو کیا ہوا۔

جناب آپ کچھ کریں۔ میری دونوں جوان بیٹیاں ہیں۔ اکبر خاں پولیس کے روّیے سے دل برداشتہ ہو کر بولا۔

اچھا تو یہ بتائیں کہ آپ کی دونوں جوان بیٹیاں پہلے بھی گھر سے رات باہر رہی ہیں۔

جی نہیں جناب۔

تو اب کیوں رہی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ مشترکہ طور پر وہ گھریلو حالات سے تنگ آ کر فرار ہوئی ہیں۔

جناب وہ ایسی لڑکیاں نہیں تھیں۔ بڑی عقلمند شریف اور تابع دار تھیں ہر حال میں صبر و شکر سے گذارہ کرنے والی لڑکیاں تھیں۔ باپ کراہ کر بولا۔

اچھا یہ بتاؤ کہ مالی حالات کیا ہیں تمہارے۔

بس اللہ کے فضل و کرم سے گذر اوقات ہو رہی۔

بیٹیوں کے کہیں رشتے طے کئے تھے۔

جی نہیں۔

اور تم انہیں جوان بھی کہتے ہو اور ابھی تک ان جوان بیٹیوں کے رشتے

تک طے نہیں کئے۔ اور پھر کہتے ہو وہ شریف تھیں، تابعدار تھیں۔ اگر وہ ایسی تھیں، اگر وہ ایسی تھیں تو پھر گھر سے کیوں فرار ہوئیں۔

جناب وہ فرار نہیں ہوئیں۔ انہیں اغوا کیا گیا ہے۔

تمہارا مطلب ہے کرایہ دار نے دونوں کو اغوا کر لیا۔ اے۔ ایس۔ آئی نے باپ بیٹے کو گھور کر دیکھا۔

جی ہاں ہمارا یہی خیال ہے۔

اپنا خیال اپنے پاس رکھو۔ خود اغوا کیس کو اغوا کا رنگ دینا چاہتے ہو۔ تاکہ بیٹیوں کی فراری پر پردہ ڈال سکو۔ اے میاں وہ بچیاں نہیں تھیں۔ جوان تھیں اپنا اچھا برا سمجھتی تھیں۔ ایک معمولی کرایہ دار انہیں کیسے اغوا کر سکتی ہے۔ اور اگر تمہاری بات مان بھی لی جائے تو اب خود ہی بتاؤ کہ کرایہ دار دونوں کو اغوا کر کے کیا کریں گے۔

ہمیں کیا معلوم جناب۔

پھر بتاؤ ہم کیا کریں۔

جناب آپ اغوا کی رپٹ لکھیں میری دونوں بہنیں اغوا ہوئی ہیں اور جنہوں نے اغوا کیا ہے وہ ہمارے کرایہ دار تھے۔ ناصر پھٹ پڑا۔

ارے تم کھڑے ہو جاؤ۔ ادھر دیوار کے پاس جا کر تمہیں پولیس سے بات کرنے کی بھی تمیز نہیں۔

آپ زیادتی کر رہے ہیں جناب پولیس عوام کے تحفظ کے لئے۔

ہمیں قانون مت پڑھاؤ۔ اور تم پر بھی شبہ کیا جا سکتا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ آپ کیا فرما رہے ہیں جناب ۔

دونوں بہنوں کو بیچ سکتے ہو پیسے کی خاطر اور ۔

افسر میں ذات کا پٹھان ہوں بات ہوش سے کرو۔ ناصر غصہ سے اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔

ملازم اسے باہر لے جا کر کھڑا کر دو۔ اور اسے بتاؤ کہ یہ پولیس اسٹیشن ہے۔ یہاں ذات پات کو اکثر تقسیم کر کے زیرو کر دیتے ہیں۔ اور اسے زیرو کا مطلب بھی سمجھا دینا۔

دو پولیس والے ناصر کو پکڑ کر باہر لے گئے۔ اور بولے ۔

مسٹر افسر سے آرام سے بات کرو۔ پانچ منٹ بعد چلے جانا ہم تمہیں کچھ نہیں کہتے۔ کیونکہ تم صورت سے شریف لگتے ہو۔ ویسے اندر جا کر یہی ظاہر کرنا کہ دو چار تمہیں لگا دی ہیں۔

یہ افسر بہت زیادتی کر رہا ہے ۔

ارے بابا پولیس والے کسی سے زیادتی نہیں کرتے۔ اب دیکھو نا کاغذ قلم کس قدر مہنگا ہو گیا ہے اور تم رپٹ لکھوانے چلے آئے ہو اور وہ بھی اغوا کی ایسا کرو کہ افسر کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کچھ لو دو۔

میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ ناصر دونوں کو گھور کر بولا ۔

تو پھر رپٹ کیوں لکھوانے چلے آئے۔ اگر کاغذ قلم کا خرچا بھی نہیں اٹھا سکتے۔ تو حکومت پولیس والوں کو کاغذ فراہم نہیں کرتی یہ پبلک کرتی ہے اور یہ چھوٹی سی بات ہی تم کو سمجھ آجانا چاہیئے۔ آخر بالغ لڑکے ہو اور سمجھ دار

بھی ہو؟ ۔

میں کہا نا کہ میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔

باپ سے بات کرو۔ ان کے پاس تو ہوں گے ۔

ہم بہت غریب آدمی ہیں۔ باپ راج گری کرتا ہے۔ کبھی کام مل جاتا ہے۔ اور کبھی بیکار رہتے ہیں ۔

اور تم کیا کرتے ہو۔

موٹر مکینک کا کام سیکھ رہا ہوں ۔

اچھا چلو ادھر بیٹھ جاؤ ۔ پولیس والا اسے تیز نظروں سے گھور کر بولا ۔

میں اندر جا کر اپنے باپ سے بات کر لیتا ہوں۔

ٹھیک ہے جاؤ۔

اور تب ناصر اندر آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کا باپ افسر کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے۔

بیٹیاں غریب انسان کی عزت اور غیرت ہوتی ہیں افسر خدا کے لئے کچھ کرو۔ انہیں تلاش کرو۔ ورنہ ہم لوگ مر جائیں گے۔

مرنے کی باتیں پولیس اسٹیشن آکر نہیں کرتے۔ پہلے بیٹیوں کو کنٹرول نہیں کرتے۔ جب وہ بھاگ جاتی ہیں تو چلے آتے ہیں منہ اٹھا کر۔ ایسا جیسے ہم ان کے باپ کے ملازم ہیں۔ ارے ہم لوگوں کو اور بھی بہت کام ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ اب گھر سے فرار ہونے والی لڑکیوں کو تلاش کرتے پھریں ۔

جناب انہیں اغوا کیا گیا ہے ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاموش۔ ہمیں قانون نہ پڑھاؤ۔ جاؤ پہلے اپنے رشتے داروں میں انہیں تلاش کرو۔ اگر پتہ نہ چلے تو آکر بتانا۔ بس اب جاؤ۔ وقت ضائع مت کرو۔ صبح ناشتہ بھی نہیں کیا اور آکر ستیاناس کردیا ذہن کا۔ آفیسر جھلا کر بولا تھا۔ اور دونوں باپ بیٹے کراہتے سسکتے ہوئے پولیس اسٹیشن سے باہر نکل آئے پھر محلے کے ایک معتبر انسان کو لے کر رات کو پولیس اسٹیشن گئے۔ اس باران کا واسطہ انسپکٹر سے پڑا تھا۔ اس معتبر انسان نے پولیس والوں کے بارے انسپکٹر سے شکایت کی اور کہا کہ اس غریب کی دونوں بیٹیوں کو اغوا کیا گیا ہے اور ابھی تک رپٹ درج نہیں ہوئی۔

پورا واقعہ بتاؤ انسپکٹر بڑے اعتماد سے بولا۔ اور تب اکبر خان نے ایک بار پھر پوری تفصیل سے بتایا کہ کیا واقعہ پیش آیا۔ تمہاری دونوں بیٹیاں خوبصورت تھیں۔ یہ پہلا سوال تھا جو انسپکٹر نے کیا تھا۔

جی والدین کے لئے اولاد خوبصورت ہی ہوتی ہے۔

ہمارا مطلب تھا منہ متھے لگتی تھیں۔

جی ہاں اچھی خاصی تھیں۔

تم نے دونوں میں کسی کا رشتہ طے کیا ہوا تھا۔

جی نہیں۔

تمہیں شرم آنا چاہیئے کہ دو جوان بیٹیوں کو تم نے اپنی کمزور کھونٹی سے باندھ رکھا تھا۔ تم سے اتنا نہیں ہو سکا کہ کوئی لڑکا تلاش کر کے ان کو گھر سے دفعہ دفعان کردیتا۔

میں غریب انسان ہوں اور غیرت مند ہوں یہ نہیں ہو سکتا کہ گلی بازاروں میں آوازیں لگاتا پھروں کہ۔

ہمارا مطلب یہ تھا۔ مطلب صرف اتنا تھا کہ بیٹیاں جوان ہو جائیں تو انہیں گھر سے جلد از جلد نکال دینا چاہیئے۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو پھر یہی کچھ ہوتا ہے۔ اور کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ گھر سے کسی منصوبے کے تحت فرار ہوئی ہوں۔

میری بیٹیاں ایسی نہیں تھیں جناب نہایت شریف لڑکیاں تھیں کہیں اڑوس پڑوس بھی نہیں جاتی تھیں۔

وہ بھاگنے والی لڑکیاں نہیں تھیں۔

اب تم لوگ کیا چاہتے ہو۔

جناب انہیں تلاش کردیجئے۔

پہلے اپنے رشتے داروں میں تاک جھانک کرو۔

ہمارا کوئی رشتہ دار نہیں۔

جاننے والے ملنے والے کوئی تو ہوں گے۔

کوئی نہیں جناب۔

حیرت ہے۔ تم کس دنیا میں سانس لے رہے ہو۔ دو جوان خوبصورت بیٹیاں گھر میں رکھتے ہو اور کہیں بھی جان پہچان نہ ہو۔

تب اکبر خان رو پڑا۔ بڑی بے بسی سے رویا تھا۔ اور اس کے رونے پر انسپکٹر بولا۔

ٹھیک ہے۔ محرر کو کہو کہ تمہاری رپٹ درج کرے۔ اگر لڑکیاں برآمد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برآمد ہوگئیں تو تمہیں اطلاع کردیں گے۔

اور پھر ایک معمولی سی رپٹ جو خانہ پُری کی حیثیت رکھتی تھی تیار ہوگئی اور باپ بیٹا اس محلے کے معتبر انسان کے ساتھ واپس لوٹ آئے۔ اور پھر اس معتبر انسان نے اکبر خان کو تسلی دی۔

اکبر خان صبر وکرو۔ اور حوصلہ پیدا کرو جب ایسے کیس ہو جائیں تو کچھ وقت لگتا ہے۔ پولیس نے رپٹ لکھ لی ہے وہ جہاں سے بھی لڑکیاں برآمد ہوگئیں تمہیں بلوالیں گے تاکہ تم اپنی بیٹیوں کی شناخت کرسکو۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھو کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔

اکبر خاں کچھ نہیں بولا تھا غریب کی زندگی بھر کی کمائی لٹ گئی تھی۔ دل کٹ گیا تھا۔ بے بس اور لاچار گھر لوٹ آیا تھا اور کمرہ بند کرکے گھنٹوں روتا رہا تھا۔ اور خدا سے دعائیں مانگتا رہا تھا کہ اس کی بیٹیوں کی وہ حفاظت کرے۔

آنکھیں کھلیں تو بیہوش ہونے کی مدت کا احساس نہیں تھا۔ دو گھنٹے دو دن یا پھر دو ہفتے۔ سب سے پہلے خان زادی بیدار ہوئی تھی۔ ایک بند کمرے کے فرش پر کپڑوں سے بے نیاز مادر زاد ننگی پڑی ہوئی تھی۔ اس کے منہ سے نکلنے والی چیخ بڑی اذیت سے بھرپور تھی۔ اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا یہی چار لٹ پرے اس کی باجی زبیدہ فرش پر دراز تھی۔ اس کی حالت بھی وہی تھی جو اس کی اپنی تھی۔ اُس کی آنکھیں خوف سے جیسے پھٹ گئی ہوں۔ وہ چند لمحوں تک پاگلوں کی مانند ادھر اُدھر دیکھتی رہی۔ کمرہ سپاٹ تھا۔ صرف ایک روشندان تھا جس کی روشنی سے کمرہ منور تھا۔ کیا ہوا تھا اسے کچھ خبر نہیں تھی۔ ذہن پر زور ڈالنے پر صرف اتنا یاد آسکا کہ وہ اپنے کرایہ داروں کے ساتھ الحمرا سنٹر میں ڈرامہ دیکھنے دونوں بہنیں نکلی تھیں۔ اور دولہا بھائی نے انہیں لڈو کھانے کو دیئے تھے۔ اسے یاد آیا کہ لڈو انہوں نے کھایا ہے۔ پھر کیا ہوا اسے یاد نہیں تھا۔ ذہن تاریک تھا۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے لرزتی کانپتی نگاہوں سے اپنی بہن کی طرف دیکھا جو اس کی طرح کپڑوں سے بے نیاز فرش پر چت پڑی تھی۔

یہ سب کیا ہے۔؟ اس کے ذہن میں سوال اُبھرا۔

کیا وہ اغوا ہو گئی ہیں۔ لیکن کن لوگوں نے اغوا کیا ہے۔

شمیم کہاں ہے اور اس کا شوہر بھی تو ہم لوگوں کے ساتھ تھا کیا وہ کسی دوسرے کمرے میں ہیں؟۔

لیکن ہم اس حالت میں کیوں ہیں۔ ہمارے لباس کو کیا ہوا۔

پھر اچانک اس کو احساس ہوا کہ ہاتھ پاؤں کو حرکت نہیں دے سکتی دونوں ہاتھ ایک مضبوط ڈوری سے بندھے ہوئے تھے اور یہی حالت پاؤں کی تھی۔ پھر اس نے اپنی باجی کی طرف دیکھا وہ بھی بندھی پڑی تھی۔

اُف میرے خدایا یہ سب کیا ہے۔ یہ ہمارے ساتھ کون سی قیامت ٹوٹ پڑی۔ اور ہم دونوں بہنیں کب سے اس حالت میں ہیں۔

لیکن اس کے سوالوں کے جواب دینے والا وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ خوف سے لرز رہی تھی۔ کانپ رہی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے بہن کو آواز بھی دی جس نے آہستہ سے آنکھیں کھولی تھیں۔

باجی خان زادی کے ہونٹ لرزے اور تب زبیدہ نے موجودہ سچویشن پر نگاہ ڈالی۔

ہم دونوں اغوا ہو چکی ہیں اور بندھی پڑی ہیں۔

زبیدہ کو جیسے یقین نہ آیا ہو۔ اُس نے کپڑوں سے بے نیاز بہن

کی طرف دیکھا پھر اپنی حالت کا اندازہ بھی کیا۔ اور پھر جیسے چیخ پڑی

باجی یہ سب کیا ہے؟

مجھے کچھ معلوم نہیں باجی کچھ دیر قبل ہوش میں آئی ہوں۔ میں نے آپ کو بہت آوازیں دیں ہیں باجی خان زادی رو پڑی۔

زبیدہ کی آنکھیں اپنی حالت اور سچویشن دیکھ کر جیسے پھٹ گئی ہوں۔

کچھ دیر تک وہ ساکت رہی پھر جیسے اپنے آپ کو قابو رکھتے ہوئے بولی ہم دونوں الحمرا اسٹوڈیو جا رہے تھے۔

کون لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں اغوا کیا ہے اور ہمارے کپڑے کہاں ہیں۔

پورا کمرہ سپاٹ ہے جہاں کچھ بھی نہیں۔ بس ہم دونوں ہیں اور۔ وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔ کیونکہ دروازہ کھلا تھا۔ اور آنے والی ان کی کرایہ دار شمیم تھی جو مسکراتے ہوئے یوں گویا ہوئی۔

جاگ پڑی ہو خان زادیو۔

تت۔ تم۔ کیا یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے۔ خان زادی جیسے چیخ پڑی ہو

میں تمہیں اغوا کر لائی ہوں۔ اور خواہ مخواہ گلہ مت پھاڑو۔ تم شہر میں نہیں ہو اور پھر آس پاس دوسرا مکان بھی نہیں ہے۔ ٹریفک کے لئے راستہ بھی نہیں ہے کہ تم بھاگ سکو۔ بس ہمارے ساتھ تعاون کرتی رہو گی تو زندہ رہو گی۔

ورنہ میرا شوہر نافرمان اغوا شدگان کو قتل بھی کر دیا کرتا ہے۔ کیونکہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

واپس تو ہوتی نہیں ۔ پھانسی تو لگتا ہوتا ۔

تم کیا چاہتی ہو ہم سے ۔ اس بار زبیدہ ہونٹ بھینچ کر بولی ۔

ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا ۔ میرا شوہر کچھ کرے گا ۔ وہ یہی یہ کاروبار کرتا ہے

تم نہایت ذلیل عورت ہو ۔ خدا کے عذاب سے ڈرو ۔ عورت ہو کر عورت کی اس قدر تضحیک اور بے حرمتی کر رہی ہو ۔ تم شاید ہم دونوں بہنوں کو کسی کے ہاتھ بیچنا چاہتی ہو ۔ تو بیچ دو ۔ لیکن ہمیں جسم ڈھانپنے کے لئے لباس تو دے دو

لباس پہن کر بھی ایسی ہوتی تھیں تم ۔ شمو قہقہہ مار کر بولی ۔

شرم کرو ۔ کچھ تو حیا کرو ۔ اور کچھ غیرت کھاؤ ۔ ذرا ہمیں کپڑے دیدو ۔ ہم کوئی شور شرابہ نہیں کریں گی ۔

میرا شوہر اول درجہ کا حرامی ہے ۔ اسے بڑا شوق تھا تمہارے جسم دیکھنے کا ۔ بس اپنا ہاتھ پھیر پھیر کر دیکھتا رہا ہے ۔ آجاتا ہے ابھی کھانے پینے کا سامان لینے گیا ہے ۔

خدا کے لئے ہمیں کپڑے دے دو خان زادی رو پڑی ۔

کوئی فائدہ نہیں ہم لوگ آنسوؤں سے متاثر ہوں گے تو کھائیں گے کیا ۔ پھر میرا شوہر کاروبار یہی کرتا ہے ۔ اور اگر تم سمجھتی ہو کہ میں نے کپڑے کیوں پہن رکھے ہیں تو یہ لو میں خود بھی اتار دیتی ہوں ۔ کپڑوں میں عورت ویسے بھی اچھی نہیں لگتی ۔ ویسے میرا جسم تم دونوں سے کم خوبصورت نہیں ۔ اتنا کہہ کر شمو نے کپڑے اتارنے شروع کر دیئے ۔ یہ کیا کر رہی ہو ذلیل عورت "خان زادی چیخ پڑی ۔"

کپڑے اتار رہی ہوں اور تمہیں باور کرانا چاہتی ہوں کہ میں بھی تم جیسی ہوں ۔

اور شمو نے اپنے لباس کو اتار کر ایک طرف پھینک دیا اور مسکرا کر بولی ۔

لو اب ٹھیک ہے نا ۔ اتنا کہہ کر شمو نے پھر قہقہہ لگایا ۔

تت ۔ تم عورت نہیں ہو کوئی خبیث روح ہو ۔ بدروح ہو ۔ نکل جاؤ یہاں سے " زبیدہ چیختے ہوئے بولی ۔

وہ مسکرائی اور بولی ۔

غسل خانہ بھی ہے یہاں ۔ اس میں ہینڈ پمپ لگا ہوا ہے کافی پانی ٹھنڈا ہے کہو تو تم دونوں کو نل کے نیچے بٹھا دوں ۔

اس بے عزتی کی زندگی سے بہتر ہے کہ ہمیں جان مار دو ۔ زبیدہ اسے زہر آلود نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولی ۔

تاکہ ہماری محنت غارت ہو جائے ۔ وہ مسکرا کر بولی ۔ پھر دروازے کی طرف متوجہ ہو گئی جہاں سے امجد اندر داخل ہو رہا تھا ۔

واہ واہ ۔ کیا خوبصورت منظر ہے ۔ کسی شہنشاہ کو بھی نصیب نہیں ہوا ہوگا اور فوری طور پر خان زادی اور زبیدہ نے آنکھیں بند کر لیں ۔

جاؤ تم کھانا کھالو جاناں ۔ میں ذرا من کی پیاس بجھالوں ۔ وہ قہقہہ مار کر بولا اور شمو نے اسے گھورا اور پھر بولی ۔

اب کیا چاہتے ہو ۔

دونوں کو سیدھا کرنا چاہتا ہوں ۔ کھیلنا چاہتا ہوں ۔ کچھ دن یہ یہاں رہیں گی ۔ آخر مہمان ہیں ۔ ذرا تھوڑا سا اپنے جیسا بنانا چاہتا ہوں ۔ دیکھو کیسے آنکھیں بند

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کئے پڑی ہیں۔ حالانکہ میں لباس میں ہوں۔ تو میں بھی اپنا لباس اتار دیتا ہوں۔ آخر کو ان کپڑوں میں رکھا ہی کیا ہے۔

امجد نے کپڑے اتارنے شروع کر دیئے تھے۔ دونوں خان زادیوں نے نیم وا آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔ اور گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں اور اچانک ان کی ٹہریاں پھٹنے لگیں۔ کیونکہ بے غیرتی کا ایک ایسا نمونہ دونوں میاں بیوی پیش کر رہے تھے کہ روئے زمین پر ایسا واقعہ رونما نہیں ہوا تھا۔ وہ دونوں وہی منہ کالا کر رہے تھے۔ جو کام میاں بیوی بند کمرے کے اندھیرے میں سرانجام دیتے ہیں۔ وہ کھلے دن اور دو جوان کنواریوں کے سامنے پیش کر رہے تھے۔ وہ دونوں دہشت زدہ سی کانپ رہی تھیں۔ کبھی غیر ارادی طور پر آنکھیں کھول لیتی تھیں اور کبھی بند کر لیتی تھیں۔ وہ دونوں قہقہے لگا رہے تھے اور اپنے گھناؤنے فعل سے گذرتے جا رہے تھے۔ اور جب انسانیت سوز تماشہ ختم ہوا تو دونوں قہقہے لگاتے ہوئے اٹھ کر باہر چلے گئے۔ تب دونوں بہنوں نے ایک دوسری کی طرف دیکھا۔ اور خان زادی سسک کر بولی۔ خودکشی کرنے کا بھی کوئی امکان نہیں نظر آ رہا باجی۔

زبیدہ کچھ سوچ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اس کے چہرے پر اذیت کے اس قدر آثار تھے کہ اس کا چہرہ اپنی رنگت کھو چکا تھا۔ شاید وہ تصور میں دیکھ رہی تھی کہ آنے والے لمحات ان دونوں کے لئے کس قدر صبر آزما ہو سکتے ہیں۔ کس قدر بھیانک ہو سکتے ہیں کیونکہ ان دونوں سے کچھ بعید نہیں۔ بے حیائی اور بے شرمی کی دونوں نے حد کر دی تھی

باجی۔ خان زادی سسک کر بولی۔

اپنے آپ کو ہر قسم کی سچوئیشن کے لئے تیار رکھو خان زادی۔ اب چیخنے چلانے سے کوئی فائدہ نہیں بس موقع کی تلاش میں رہو۔ شاید قدرت مہربان ہو جائے اگر انہیں قتل بھی کرنا پڑے تو موقع ہاتھ سے مت جانے دینا۔ جو فعل انہوں نے ہمارے سامنے کیا ہے۔ وہ ہم دونوں کو ذہنی طور پر تیار کرنے کے لئے ہے اس لئے میری بہن صبر کرنا اور قدرت سے بہتری کی امید رکھنا۔ وہ انصاف کرنے والا ہے۔

ہم دونوں کو مر جانا چاہیئے۔ خان زادی رو پڑی۔

کوئی طریقہ کار اگر تمہاری نظروں میں ہو تو بتا دو۔ پہل میں کر لوں گی۔ لیکن تم دیکھ رہی ہو کہ ہم دونوں کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں سوائے ایک روشن دان کے اور کچھ نہیں اور وہ بھی اس قدر بلندی پر ہے کہ ہمیں سر اٹھا کر اسے دیکھنا پڑتا ہے۔ لہٰذا ان کے ساتھ تعاون کرنے کی کوشش کرو۔ ہمیں ان خبیث روحوں کو اعتماد میں لینا چاہیئے۔ شاید کہیں دھوکہ کھا جائیں۔ اور ہم بچ نکلیں۔

ہم کو زندہ رہ کر کیا کرنا ہے باجی۔ موت کی دعا مانگ۔

ان دونوں کے مرنے کے بعد۔ اس سے پہلے نہیں۔ زبیدہ ہونٹ بھینچ کر بولی۔

یہ ہمیں کپڑے کیوں نہیں دے رہے۔

بے حیائی کا مظاہرہ کر رہے ہیں تاکہ ہمارے اندر سے حجاب نکل جائے اور ہم دونوں ان کی طرح بے شرم اور بے حیا ہو جائیں پھر ان کے کسی فعل پر بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شور نہ مچائیں۔ اس لئے تو کہہ رہی ہوں کہ ان سے تعاون کرو۔ کم از کم ستر پوشی کے لئے کپڑے تو مل جائیں گے۔

شاید تم ٹھیک کہتی ہو باجی۔ مجھے امی اور ابو یاد آرہے ہیں نجانے ان کے دلوں پر کیسی کیسی قیامتیں ٹوٹ رہی ہوں گی۔

ہم سے زیادہ نہیں ٹوٹ رہی ہوں گی۔ جیسے ہم حالات سے سمجھوتا کرنے کے لئے تیار ہو رہی ہیں۔ ایسے ہی وہ بھی کریں گے۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا کہ ہم دونوں نے اس بے غیرت جوڑے کو قتل کرنا ہے۔

ہم۔ میں کروں گی۔ دونوں کی بوٹی بوٹی کردوں گی۔ خون پی جاؤں گی دونوں کا۔ خان زادی ایک عزم کے ساتھ بولی۔

اور یوں دونوں بہنوں نے اپنے آپ کو حالات کے حوالے کر دیا۔ اور اچھے دن کی امید پر زندہ رہنے کا عزم کر لیا۔

وہ دونوں پھر اندر آ گئے۔ دونوں اب بھی بے لباس تھے۔ بے غیرتی کا ایک نمونہ تھے روئے زمین پر ایسا واقعہ ان کے سننے میں نہیں آیا تھا۔

خورو۔ کچھ کھانا پینا ہو تو۔ کھانا حاضر ہے۔

صرف کپڑے دے دو۔ ہم تمہارے ساتھ ہر تعاون کرنے کو تیار ہیں۔

زبیدہ کھلی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ البتہ خان زادی نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔

دے دیں گے دے دیں گے۔ ابھی تو تم دونوں کی جوانیوں کو میں نے اپنے اندر جذب کرنا ہے۔ اور ہاں خان زادی تم نے بہت عشقیہ ناول

پڑھے ہوں گے۔ لیکن ایسا ناول کہیں نہیں پڑھا ہوگا جو اب رقم ہو رہا ہے۔

میں نے تمہیں کہا تھا کہ ہمیں کپڑے دے دو اور جو چاہے کرتے رہو۔ کیونکہ تم لوگوں کے ارادے دیکھ کر اندازہ ہو گیا ہے کہ ہماری واپسی ناممکن ہے۔ لہٰذا اب یہ کھیل بند کرو۔ ہمیں گھن آ رہی ہے۔ زبیدہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔

ابھی تو کھیل شروع ہوگا۔ خان زادی۔ اس کا بھی مزہ چکھ لو۔ اتنا کہہ کر وہ زبیدہ کی طرف بڑھا۔ اور زبیدہ ایک دم بولی۔

میری بہن اور اپنی بیوی کو باہر بھیج دو۔ پھر اپنا منہ کالا کرتے رہو۔

فائدہ کیا ہوگا۔ باہر وہ تصور کی آنکھ سے اندر کا منظر دیکھتی رہیں گی اور یہاں وہ کھلی آنکھوں سے نظارہ کریں گی۔

او بدبخت انسان کچھ حیا اور شرم کرو۔

ہم کاروباری لوگ ہیں شرم حیا کریں گے تو کھائیں گے کہاں سے۔

تم گناہ کی پیداوار لگتے ہو۔ یقیناً تیری ماں نے سینکڑوں بار گناہ کیا ہوگا اور پھر تم وجود میں آئے ہو گے۔ سو بار لعنت ہے تم پر اور تمہاری پیدا کرنے والی پر۔ شمو نے بڑے زور کا قہقہہ لگایا اور بولی۔

اے امجد یہ تمہاری ماں کو گالیاں دے رہی ہے۔ بہتر ہے کہ ان دونوں کا منہ بند کر دو۔ تاکہ یہ زیادہ بکواس نہ کریں۔ اور امجد نے یوں ہی کیا تھا۔ دونوں کا دوپٹوں سے منہ باندھ دیا۔ دونوں کے ہونٹ سی دیئے گئے تھے۔ اب ان کی صرف آنکھیں حرکت کر رہی تھیں اور پھر ایک گھناؤنا عمل شروع ہو گیا۔

سارا دن دونوں کو بھوکا پیاسا رکھ کر اس شیطان نے ان کی عزت کو بار بار لوٹا تھا۔ وہ دونوں زندہ لاشیں تھیں جنہیں نوچا جا رہا تھا۔ وہ دونوں کبھی بیہوش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوجاتی تھیں اور کبھی ہوش میں آجاتی تھیں۔ شام اترنے سے پہلے دونوں کو ڈبل روٹی اور دودھ پلایا گیا۔ تاکہ وہ دونوں زندہ رہ سکیں۔

بہاسبہ ٔ ضرورت کے لئے انہیں کمرے سے نکالا جاتا۔ باری باری دونوں کو غسل دیا جاتا۔ اور پھر مادر زاد ننگ کمرے میں بند کر دیا جاتا۔ دونوں اس قدر بے حس ہو چکی تھیں کہ ان کے سامنے کئے جانے والے کسی بھی فعل پر وہ احتجاج نہیں کرتی تھیں جیسے دو پتھر کی مورتیاں ہوں یا پھر مشین۔ جو حکم ملنے پر حرکت میں آجاتی تھیں۔ لیکن دونوں کے اندر ہی اندر وہ کھچڑی پک چکی تھی۔ وہ زندگی سے ہر قسم کا رشتہ توڑ چکی تھیں۔ نہ تو اب انہیں اپنے ننگے پن کا احساس تھا نہ زیادتیوں کا۔ بس وہ زندہ تھیں ایسے جیسے صرف سانس لے رہی تھیں پھر ایک دن اُن کو وہی لباس دیا گیا جو پہن کر وہ الحمرا اسٹیج ڈرامہ دیکھنے گئی تھیں اور پھر دونوں کو ایک زمیندار کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا۔

اب ان کے پاس ایک نیا جسم نوچنے والا کتا تھا۔ لیکن اس میں کچھ تہذیب تھی گناہ کرتا تھا لیکن انسانیت سوز نہیں۔ وہ خاموش تھیں اور برباد ہو رہی تھیں کہ ایک دن اچانک زمیندار کے ہاں چھاپا پڑا۔ اور مال غنیمت کے طور پر دونوں کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔

ہماری جان چھوٹ گئی۔ باجی "خان زادی سسک کر بولی کیونکہ وہ قانون کے محافظوں کے پاس کی مخبر کے تحت پہنچ چکی تھیں۔

ہاں شائد قدرت کو ہم پر رحم آگیا ہے۔ زبیدہ بولی۔

لیکن ہم ان سلاخوں کے پیچھے بند کیوں ہیں۔ کومیں نے

معلوم نہیں۔ بہرکیف یہ یقین رکھو کہ ہماری نجات کا نصف وقت قریب آگیا ہے۔ قانون ہماری مدد کرے گا۔ اور ہم گھر پہنچ جائیں گی۔

گھر کس منہ سے جائیں گی۔ خان زادی سسک کر بولی۔

زبیدہ نے کوئی جواب نہ دیا" ان دونوں کے جسموں پر کپڑے بڑے عجیب عجیب لگ رہے تھے۔

پھر دونوں کو بلایا گیا اور ان سے مختصر سے انداز میں ان کی کہانی سنی گئی انسپکٹر نے ہمدردی کا اظہار کیا اور پھر رات کو وہ کھیل شروع ہوا جس کی انہیں قطعاً امید نہ تھی۔ نہ تو شمیم نامی عورت اور امجد نامی درندے کو گرفتار کرنے کی انہوں نے کوشش کی "اور نہ ہی انہوں نے اگلی منزل تک پہنچایا۔ بلکہ جس قدر آبروریزی کی جا سکتی تھی کر ڈالی گئی۔

دونوں حیرت زدہ تھیں کہ کیا واقعی یہ لوگ جو بار بار دونوں کو بے عزت کر رہے ہیں۔ قانون کے محافظ ہیں۔

لیکن ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ زبیدہ نے انسپکٹر کو گھورتے ہوئے کہا۔

اسے قانون کے محافظ۔ ہمیں یقین دلاؤ کہ تم واقعی قانون کے محافظ ہو۔ ہمیں تم میں اور ان اغوا کرنے والوں میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوا۔

چپ اُلو کی پٹھی۔ جو عزت ہم تمہیں دے رہے ہیں کیا بُری لگتی ہے۔

اسے سختی سے ڈانٹ دیا گیا۔ اور پھر زبیدہ نے کوئی مزید سوال نہ کیا۔ دو دن لاک اپ میں رہنے کے بعد انسپکٹر نے ان کے سامنے ایک پٹھان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

یہ سب کیا ہو رہا ہے باجی۔ خان زادی کراہ کر بولی۔

جو کچھ بھی ہوتا ہے اب ہونے دو مت سوچو۔ ہمارے پاس اب کچھ بھی نہیں جس کی حفاظت کر سکیں۔

شاید تم ٹھیک کہتی ہو باجی۔ لیکن یہ کون سا علاقہ ہے۔

یہ کسووال ہے تھانے آتے وقت میں نے ایک جگہ پڑھا تھا۔ اور تھانے کے باہر بھی لکھا ہوا ہے تھانہ کسووال۔

یہ واقعی پولیس والے تھے۔

ہاں وہی تھے۔ ہر جگہ درندے ہیں۔ ہر جگہ عزت کے بیوپاری ہوتے ہیں۔ ویسے ایسا ہوتا نہیں جو کچھ ہمارے ساتھ ہوا ہے۔ شائد قدرت کو ہمارا امتحان مقصود ہے۔

ہم ہی کیوں۔ خان زادی کراہ کر بولی۔ کیا گناہ کیا تھا۔ کون سا ایسا جرم کیا تھا ہم نے کہ ہماری زندگیوں کو اجاڑ دیا گیا۔ ہم زندہ ہیں نہ مردہ ہیں۔ لاشوں کو لوگ دفنا دیتے ہیں۔ لیکن یہ گدھ ابھی تک ان کی بے حرمتی کر رہے ہیں۔

زبیدہ کے پاس کوئی جواب نہیں تھا وہ اپنی بہن کو کسی قسم کی کوئی تسلی نہیں دے سکتی تھی۔ اس کی اپنی عقل حیران تھی کہ پولیس میں یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ یہ تو عوام کے تحفظ کے لئے ہے ان کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کرتی ہے۔ لیکن اس کے ذہن میں یہی خیال پیدا ہوا کہ اگر ہمارے ملک میں

سب سے بڑی قوت ڈاکوؤں کی ہے تو وہ پولیس والوں کے پاس ہے۔

اُس نے دو دن کے اندر اندر دیکھا تھا کہ وہاں آنے والے کچھ اچھے لوگ نہیں ہوتے تھے۔ چور، اسمگلر اور ڈاکو قسم کے ہوتے تھے۔ ان سے روپیہ بٹورا جا رہا ہے۔ اور ان سے آن دیکھے سودوں پر بات ہو رہی ہے۔ تکرار ہو رہی ہے۔ اب وہ خود خان زادی کو کیا بتاتی کہ وہ غلط لوگوں میں آ پھنسی ہیں۔ یہ محافظ نہیں ہیں۔ بہت بڑے ڈاکو ہیں۔ عزتوں کے ڈاکو۔ مال اور دولت کے ڈاکو۔ اور جانوں کے ڈاکو۔ یہ انسانوں کو لمحہ لمحہ قتل کرتے ہیں۔ کچھ دن اپنے پاس رکھ کر اس پٹھان نے انہیں کسی اور کے ہاتھ بیچ دیا۔ یوں وہ مختلف ہاتھوں سے ہوتی ہوئیں کہیں سے کہیں پہنچ گئیں۔ جانے کس جرم کی پاداش میں وہ سزا بھگت رہی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انسانوں کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ میں نے بحیثیت انسان اور ادیب بڑی باریک بینی سے انسانی نسل کا تجزیہ کیا ہے۔

ایک قسم وہ ہے جو صرف اپنے لئے جیتی ہے۔ اُسے دوسروں سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ یہ نہیں کہ وہ جرائم پیشہ ہوتے ہیں یا پھر ناجائز کمائی سے دولت کماتے ہیں۔ بلکہ اِن کا شمار شرفاء میں ہوتا ہے۔ اور رزق حلال کماتے ہیں۔ نہ تو وہ کسی کے کام آتے ہیں اور نہ کوئی دوسرا ان کے کام آتا ہے۔ وہ لوگ صرف اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔

اور ایک قسم جرائم پیشہ لوگوں کی ہے۔ جو اپنی حرکات کی بناء پر اپنے محکمے میں زہر بن چکے ہوتے ہیں اور بے عزت ہو چکے ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کی کمائی کو عار نہیں سمجھتے۔ اور آخری قسم ان لوگوں کی ہے جو سفید پوش ہیں۔ دولت انہیں بھی چاہیئے ہوتی ہے۔ لیکن اپنی محنت کی۔ یہ لوگ دوسروں کے بہت کام آتے ہیں۔ اور اس عمل پر زندگی بسر کرتے ہیں کہ خود بھی جیئو اور دوسروں کو بھی جینے دو۔

میں نے پولیس کے محکمے میں ایسے انسانوں کو بھی دیکھا ہے جنہوں نے آج تک رشوت نہیں لی۔ اور ایمانداری سے اپنے فریضہ کو سرانجام دے رہے ہیں۔ میں نے انہیں انصاف کرتے دیکھا ہے۔ انسانوں سے پیار کرتے دیکھا ہے۔

اور ایسے پولیس والے بھی دیکھے ہیں جن کی صورتوں سے نحوست برس رہی ہوتی ہے۔ رشوت لینا ان کے نزدیک کوئی جُرم نہیں بلکہ ضرورت ہے۔ وہ زمین پر بلا کو خاں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میں نے اس قسم کے انسان ہر شعبے میں دیکھے ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے ظلم ہوتے دیکھے ہیں اور ان ہی بھیڑ لوں میں وہ انسپکٹر بھی تھا۔ اگر وہ ایسا تھا تو اس کا عملہ کیسا رہا ہوگا۔ میں نے اس کہانی کو کسوال میں ہونے والے اس جرم کو سامنے رکھ کر تحریر کیا ہے۔ جہاں دو جوان کنواری لڑکیوں اور ایک معصوم نابالغ لڑکی کے ساتھ انسانیت سوز اور شرمناک فعل کیا گیا۔ آیئے روزنامہ جنگ میں پیش کی گئی اس طویل ترین کہانی کے کچھ حصے آپ کو سناؤں۔

پھر آپ میری کہانی کو آگے پڑھیئے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تین بہنیں کیسے اغوا ہوئیں

کیا پولیس بھی مجرم تھی ـــــ؟

باغبانپورہ پولیس کے مطابق ۱۱ جنوری ۱۹۸۷ء کو دردغم والا ایک عورت حمیدہ بی بی نے تھانے میں ایک رپورٹ درج کروائی کہ ایک شخص اقبال عرف لال دین اس کے مکان میں کرایہ دار کی حیثیت سے آکر رہائش پذیر ہوا اس کے ساتھ ایک عورت نسیم بی بی تھی جسے وہ اپنی بیوی ظاہر کرتا تھا۔ ان دونوں نے اس گھر کی تین بیٹیوں اور ایک معصوم بھتیجی کو بازار شاپنگ کے لئے جانے کے بہانے اغوا کرلیا۔ پھر جب وہ یکم اپریل ۱۹۸۹ء کو گھر پہنچیں تو دو بن بیاہی کنواریاں ماں بن چکی تھیں۔ اغوا ہونے والی تینوں بہنوں کو درندہ صفت افراد اپنی ہوس کا نشانہ بناتے رہے اور پھر مختلف ہاتھوں میں فروخت ہوتی رہیں اور ظلم کی انتہا اس وقت ہوئی جب ایک قانون کے محافظ نے ایک بہن کو فروخت کردیا ان بہنوں کے ہمراہ معصوم بھتیجی بھی تشدد کا نشانہ بنتی رہی لیکن ان کی چیخ و پکار کسی گوش باہوش تک رسائی نہ کرپائی۔ بالآخر ایک کے خط سے ملزموں کا سراغ مل گیا۔ اور یوں بیوہ کی تین بیٹیاں

اور پوتی دو سال بعد برآمد کرلی گئیں۔

دو اپریل کے اخبارات میں درندہ صفت انسانوں کی ہوس کا نشانہ بننے والی بدنصیب بے بس و بے کس بہنوں کی خبر جہاں لاقانونیت کی نشاندہی کررہی تھی۔ وہاں ہماری غیرت کو چیلنج کررہی تھی لیکن شاید ہم سب بے بس تھے۔ اس گھر کی چاردیواری میں پڑنے والے شگاف سے جو میں نے دیکھا جو میں نے سنا اسے صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا جا رہا ہے۔ اس مقصود اعلیٰ حکام کو متوجہ کرنا قارئین کو حقیقت حال سے باخبر رکھنا اور انصاف حصول کے لئے زنجیر ہلانا ہے یہ ایک ایسا آئینہ ہے کہ جس میں ہم سب اپنا چہرہ دیکھ سکیں گے اور یہی وہ کہانی ہے جسے پڑھ کر میں سکتے کے عالم میں آگیا اور پھر ایک کہانی تشکیل دے ڈالی۔ اور اب آیئے اپنی کہانی کے کرداروں کی طرف۔

سکینہ سکتے کی حالت میں رہتی تھی۔ دو جوان بیٹیاں اغوا ہوگئیں تھیں باپ منہ چھپائے در در کی ٹھوکریں کھاتا پھر رہا تھا۔ بھائی تھانے کے چکر کاٹتا رہتا تھا۔ لیکن کوئی کارروائی نہیں ہورہی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا عبیدہ اور زبیدہ کو زمین نگل گئی ہو یا پھر آسمان نے اٹھالیا ہو۔

بڑے اذیت ناک دن تھے۔ بڑی خوفناک اور بھیانک راتیں تھیں جن میں والدین اور بھائی کو بھیانک سپنا دیکھکر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتے تھے۔ دن گزرتے جا رہے تھے۔ راتیں قہر برسا رہی تھیں۔ اندیشوں، وسوسوں نے انہیں ادھ موا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر دیا تھا۔ اور اس باوجود وہ زندہ تھے صرف ایک آس پر کہ شاید کہیں ان کی بیٹیاں واپس لوٹ آئیں۔

اور ایک دن انتظار کی کوفت اٹھاتے اٹھاتے اکبر خان پولیس اسٹیشن جا پہنچا۔ اس کا چہرہ زرد تھا۔ بالکل ایسے جیسے تمام جسم سے خون نچوڑ لیا گیا ہو آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اور ان کے گرد سیاہ حلقے پڑ چکے تھے۔ اس نے دیکھا کہ وہاں کچھ نئے لوگ آ چکے ہیں۔ لیکن بڑے آفیسر کی تختی پر وہی نام تھا۔ پورے دو گھنٹے وہاں انتظار کی کوفت اٹھانے کے بعد جب وہ تنگ آ گیا تو اے۔ ایس۔ آئی کو شاید اس کی حالت پر ترس آ گیا۔

کیا بات ہے۔ تم نے کس سے ملنا ہے۔

بڑے صاحب سے ملنا ہے۔

کیوں کیا بات ہے۔

اپنی بیٹیوں کا معلوم کرنا ہے۔ چھ ماہ پہلے انہیں اغوا کر لیا گیا تھا۔ لیکن آپ کے محکمے نے ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔

اچھا اچھا۔ تم صاحب سے مل لو۔ لیکن وہ ناراض ہوں گے اندر مہمان بیٹھے ہوئے ہیں۔ اتنا کہہ کر اے۔ ایس۔ آئی بڑھ گیا۔ اسے اکبر خان کو مخاطب کر کے کوفت محسوس ہوئی تھی۔

اکبر خان کو مزید انتظار کرنے کی بجائے اچانک اٹھ کر اندر داخل ہو گیا۔ اندر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ اکبر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

انسپکٹر نے اسے غور سے دیکھا اور بولا

کہو کیا بات ہے۔

میں اپنی بیٹیوں کا معلوم کرنے آیا ہوں جناب آپ نے ان کا کیا کیا۔

کون سی بیٹیاں۔؟

جناب چھ ماہ پہلے ان کے بارے میں یہاں ایک رپورٹ درج کروائی گئی تھی میرا نام اکبر خان ہے شاید آپ کو یاد ہو گا کہ میری دو بیٹیوں کو میرے کرایے داروں نے اغوا کر لیا تھا۔

اچھا اچھا یاد آ گیا، لیکن مسٹر اکبر ابھی تک پولیس ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کر سکی۔ دراصل ہمارے پاس نہ تو تمہاری بیٹیوں کی تصویریں ہیں اور نہ ہی تمہارے کرایہ داروں کی۔ مزید مشکل یہ آ پڑی ہے کہ ہم کیسے تلاش کریں۔ تم لوگوں کے بتائے ہوئے حلیے کو دیکھ کر یہ اطلاع کر چھوڑی ہے۔ لیکن کسی جگہ سے کوئی خبر نہیں آئی۔ بہر کیف جیسے کچھ پتہ چلا ہم آپ لوگ کو اطلاع کر دیں گے۔

میں انتظار کرتے کرتے تھک گیا ہوں جناب میری پوری پونجی۔ میری تمام جائیداد صرف اور صرف دو بیٹیاں تھیں۔ میری بیوی بیٹیوں کے انتظار میں نیم دیوانی ہو چکی ہے۔ انتظار کرتے کرتے اس کی آنکھیں پتھرا گئی ہیں۔ اگر وہ مر گئی تو کیا فائدہ ہو گا۔ اکبر خاں کراہ کر بولا۔

موت اور زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے ہر روز سینکڑوں ایسے کیس ہوتے ہیں لیکن کوئی کسی کے لئے نہیں مرتا رو دھو کر خاموش ہو جاتے ہیں۔

میری بیٹیاں مر گئی ہوتیں تو ہم لوگ بھی صبر کر چکے ہوتے۔ آپ اولاد والے ہیں۔ میرا درد محسوس کریں جناب ہم سب زندہ درگور ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں تمہاری کیفیت سمجھ رہا ہوں۔ اکبر خان لیکن مجبوری ہے۔ اور اکبر خان واپس لوٹ آیا۔ وہ سکینہ کے کہنے پر پولیس اسٹیشن گیا تھا جب وہ لوٹا تو مزید تھکا ہوا تھا۔ اس کے کندھے جھکے ہوئے تھے۔

سکینہ بی بی نے شوہر کی طرف دیکھا اور بولی۔

کچھ پتہ چلا۔

مرنے والوں کا پتہ نہیں چلا کرتا۔ وہ اذیت سے بولا۔

نہیں اکبر خان ایسا مت کہو۔ میری بیٹیاں نہیں مر سکتیں۔ اگر مر گئی ہوتیں تو ایک ماں کو صبر آجاتا۔ پتہ نہیں ہر روز کیوں میرا دل کٹتا رہتا ہے جیسے اس کے اندر قطرہ قطرہ خون نکلا جا رہا ہو۔ تم بتاؤ اکبر خان ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ لیکن اکبر خان کی اپنی حالت خراب تھی۔ وہ ایسے کیا بتاتا۔

ایک کراہ کے ساتھ اس کے قریب بیٹھ گیا اور آہستہ آہستہ چارپائی پر نیم دراز ہو گیا پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں تھیں۔

اکبر خان۔ ہم سے کبھی کوئی اتنا بڑا گناہ تو سرزد نہیں ہوا کہ جس کی سزا ہمیں یوں مل رہی ہے۔

قدرت کے اپنے کھیل ہیں سکینہ۔ بس کوئی ہنس رہا ہے کوئی رو رہا ہے کسی کے پاس بہت زیادہ پیسے ہیں کہ اسے ان پیسوں کا حساب ہی نہیں اور کچھ کے پاس کھانے کو دو وقت کی روٹی نہیں۔ کوئی قتل کر دیتا ہے تو بچ جاتا ہے اور کوئی پتھر مارنے سے ہی پھانسی پر لٹک جاتا ہے۔ کسی کو دن رات مانگنے سے کچھ نہیں ملتا اور کسی کو بن مانگے بھی مل جاتا ہے۔ بڑا عجب دستور ہے سکینہ

یہ کیا چکر ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ گھر برباد ہو گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہیں سے ان دونوں کی موت کی خبر آجائے۔ تاکہ ایک بار رو دھو کر صبر کر لوں لیکن یہ ہر روز نہیں رویا جاتا۔ میں ایک دم بوڑھا ہو گیا ہوں سکینہ۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ وجودمیں اب سکت نہیں۔

میرا بھی یہی حال ہے اکبر خان۔ سکینہ سسک کر بولی پھر مزید بولی یہ پولیس والے آخر اس قدر ناکارہ کیوں ہیں۔ کتنا عرصہ ہو گیا لیکن انہوں نے کچھ نہیں کیا۔

ہمارے پاس بیٹیوں کی تصویریں نہیں تھیں اور نہ ہی ان حرامزادوں کی خدا ان دونوں کو غارت کرے ورنہ شاید کچھ ہو جاتا۔ کیا معلوم تھا کہ ایسا ہوا ہو گا۔ ورنہ تصویریں بنوا چھوڑتے۔

ناصر گھر آگیا ہے۔

ہاں اوپر چلا گیا ہے۔ غریب ابھی رونے لگا تھا۔ بہنوں کا غم کھا گیا اسے بھی۔ ویسے اکبر خان کیا کسی دولت مند کی بیٹی اغوا ہوئی ہوتی تو اتنی دیر نہ لگتی اسے برآمد کرنے میں۔

شاید نہ لگتی۔ وہ پولیس اسٹیشن الٹ پلٹ کر دیتا۔ غریب کی کوئی عزت نہیں معاشرے میں۔

میاں بیوی دکھوں کی چھاؤں میں اکثر ایسی باتیں کرتے رہتے سسکتے رہتے۔ یہ باتیں اب ان کا اثاثہ تھیں۔

اچانک ایک دن ایک پولیس والے نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اور اکبر خان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی بجھتی ہوئی آنکھوں کی روشنی میں جیسے کوئی اُمید کی کرن چمکی ہو۔

تمہارا نام اکبر خان ہے۔

ہاں میرا نام اکبر خان ہے کہو کیا بات ہے۔

تم کو بڑے صاحب نے بلوایا ہے میرے ساتھ چلو۔

کیا میری بیٹیوں کا پتہ چل گیا ہے۔ اکبر خان جلدی سے بولا۔

اگر نہیں چلا تو اب چل جائے گا کیونکہ نیا انسپکٹر بڑا سخت ہے۔

مجھے کیوں بلوایا گیا ہے۔

معلوم نہیں کورا سا جواب تھا۔ اور اکبر خان سکینہ کو یہ بتا کر کہ پولیس اسٹیشن بڑے صاحب کے سامنے اسے پیش کیا گیا۔

بڑا خوبرو جوان تھا۔ اس نے اکبر خان کی طرف بغور دیکھا اور بڑی عزت سے اُسے کرسی پیش کی۔ اکبر خان اس کے رویے پر حیران ہوا تھا۔ اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

جناب کیا میری بیٹیوں کا کچھ پتہ چلا ہے۔

پتہ چلانے کے لئے میں نے تمہیں بلوایا ہے۔ دراصل دو، تین دن قبل یہاں آیا ہوں۔ دفتر فائل کئے گئے کیسوں پر نظر پڑی تو اس میں ایک تمہارا کیس بھی تھا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ تم کچھ میری مدد کرو۔ مجھے پوری تفصیل سے اپنے کرایہ داروں کے بارے میں اور اپنی بیٹیوں کے بارے میں بتاؤ۔ اپنی بیٹیوں کی عادات تک بتاؤ۔ چھوٹی سے چھوٹی بات بھی تم نے نظر انداز نہیں کرنی۔

ہاں تو چائے پیو گے۔ اکبر خان۔

نہیں مائی باپ۔ آپ کوئی فرشتہ معلوم ہوتے ہیں۔ اکبر خان اس کی انسانیت دیکھ کر بولا۔

ارے نہیں اکبر خان ہر ماحول میں ہر شعبے میں اور ہر جگہ اچھے بُرے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ کیس جو نظر انداز کر دیا گیا۔ نظر انداز کئے جانے والا نہیں تھا تم میری مدد کرو۔ میں تمہاری مدد کروں گا۔ اگر خدا کو منظور ہوا تو میں تمہاری بیٹیوں کو برآمد کر لوں گا۔ اگر وہ کہیں زمین دوز بھی ہوں گی تو یقین کرو میں انہیں وہاں سے بھی نکال لاؤں گا۔

پہلے ایسا کیوں نہیں کیا گیا جناب عالی۔

اپنا اپنا طریقہ کار ہے۔ اکبر خان بر کیف تم یقین رکھو کہ تمہاری بیٹیاں تمہیں مل جائیں گی۔ اور پہلے جو کچھ تمہیں معلوم ہے بتا دو۔ معمولی سی معمولی بات کو بھی نظر انداز مت کرنا۔

تب اکبر خان نے پھر ایک بار اپنی کہانی کو دوہرایا۔ درمیان میں انسپکٹر سوالات بھی کرتا جاتا تھا۔ اور اکبر خان آخر میں بولا۔

میری بیٹیاں روح کا زخم بن گئی ہیں۔ انسپکٹر۔ اور زخم رس رس کر اب ناسور بننے جا رہے ہیں۔ اگر آپ نے میری بیٹیاں واپس کر دی تو زندگی بھر آپ کو دعائیں دیتا رہوں گا۔ ہم غریبوں کے پاس دینے کے لئے صرف دعائیں ہی ہوتی ہیں۔

گھبراؤ نہیں اکبر خان۔ خدا بہتر کرے گا۔ بس اب تم جاؤ جو کچھ بھی ممکن ہو سکا میں کروں گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگر شروع میں کہیں اس کیس پر کوئی آپ جیسا آفیسر کام کرنے والا ہوتا تو شاید میری بیٹیاں برآمد ہو جاتیں۔

اس محکمے میں کام چور افراد کی تعداد زیادہ ہے۔ انسپکٹر بولا اور اکبر خان ایک بار پھر زندہ رہنے کی آرزو کرنے لگا۔ مُردہ زندگی میں آس کی کرن چھوڑی ہوئی تھی۔ اور وقت گزرتا گیا۔ لیکن اس کی بیٹیاں نہ مل سکیں۔ مزید چھ ماہ بیت گئے اور اکبر خان سوچوں کے سیاہ اندھیروں میں ڈوب گیا۔ وہ ایک بار پھر پولیس اسٹیشن جا پہنچا تھا۔ لیکن وہاں انسپکٹر پھر بدل چکا تھا۔ ایک ملازم سے اُس نے معلوم کیا تو اسے پتہ چلا کہ۔ پہلا انسپکٹر صرف ایک ماہ رہ سکا تھا۔ اب پانچ ماہ سے یہ نیا انسپکٹر آیا ہوا ہے۔ اکبر خان ایک گھنٹے کی کوشش کے بعد اس کے سامنے جا پیش ہوا۔ اور رو رو کر اپنی بیٹیوں کا واقعہ بتایا۔ اتنا عرصہ گذر جانے کے بعد ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ویسے ہم کو تم سے ہمدردی ہے اکبر خان یہ تو بہت پُرانی بات ہو گئی ہے۔ اور یہ کیس میرے زمانے کا نہیں۔ مجھے یہاں آئے ہوئے صرف پانچ ماہ ہوئے ہیں اور نہ ہی مجھے بتایا گیا کہ اس نوعیت کا کوئی کیس یہاں درج ہے۔

اب میں تو بتا دیا ہے جناب عالی کچھ کر سکتے ہیں تو کیجئے

میرا خیال ہے غربت سے تنگ آ کر تمہاری بیٹیاں خود گھر سے کرایہ داروں کے ساتھ بھاگ گئی ہوں گی۔ اور اب تک وہ اپنی شادیاں کر کے گھر بسا چکی ہوں گی اور یہی کافی نہیں کہ بال بچوں والی بھی ہو گئی ہوں گی۔ دراصل ایسے سینکڑوں کیس ہوتے ہیں کہ غربت اور والدین کی گھریلو پریشانیوں کی وجہ سے ان کی لڑکیوں شادی سے تجاوز کر جاتی ہیں۔ اور اس طرح رشتہ نہ ملنے پر وہ اندر

ہی اندر گھٹ گھٹ کر مر رہی ہوتی ہیں لہٰذا جونہی موقع ملتا ہے کسی آشنا کے بھاگ جاتی ہیں اور بال بچوں والی ہو کر ماں باپ کو آملتی ہیں ایسے میں کیس تجاوز کر جاتے ہیں۔ اور

انسپکٹر میں پٹھان ہوں۔ اکبر خان چلا کر بولا۔

تو پھر کیا ہوا۔ آخر کو ایسے انسان جو مسائلوں میں گھرے ہوتے ہیں اور پھر غریب انسان کی بیٹیاں بارود کا ڈھیر ہوتی ہیں۔ اور۔

انسپکٹر میں کہہ چکا ہوں کہ میں ذات کا پٹھان ہوں۔ میرے آنگن میں غربت ضرور تھی لیکن کھوٹی کمزور نہیں تھی۔ میری لڑکیوں کے اندر اس قسم کے جراثیم نہیں تھے کہ وہ گھر کے ماحول سے بغاوت کر لیتیں۔ ان کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے انہیں اغوا کیا گیا ہے۔ اگر تم لوگ اس کو اپنی شایان شان نہیں سمجھتے تو مت وقت ضائع کرو۔ لیکن قدرت میرے ساتھ انصاف ضرور کرے گی۔

ضرور کریگی۔ اکبر خان ایک نئی آگ دل میں لے کر گھر لوٹ آیا۔ یہ پولیس والے اس کی سمجھ سے باہر تھے۔ کوئی نہ کوئی نئی کہانی سنا دیتے تھے۔ بجائے تسلی دینے کے ان کے زخموں پر مرہم رکھنے کے مرچیں ڈال دیتے تھے۔ ان پر کرپشن کا الزام لگا دیتے تھے۔ اکبر خان بڑا دل برداشتہ ہوا تھا۔ اور پھر پورے ایک سال چار ماہ گزر جانے کے بعد ایک دن ڈھیر سارے پولیس والے ان کے دروازے پر آئے۔

تمہارا نام اکبر خان ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جی ہاں ۔ میرا نام اکبر خان ہے ۔

"چلو تھانے چلو ۔"

کیوں تھانے کیوں چلوں ۔ کیا بات ہے ۔

دو لڑکیوں کی شناخت کرنی ہے ۔ شاہ صاحب جو تھانے کے انچارج ہیں انہوں نے تمہیں بلوایا ہے ۔

میری بیٹیاں مل گئی ۔

"پہلے شناخت تو کر لو ۔" پولیس والا اسے گھور کر بولا ۔

"چلو چلو ۔" اتنا کہہ کر اکبر خان نے پلٹ کر اپنی بیوی کی طرف دیکھا اور بولا ۔

میں تھانے جا رہا ہوں انسپکٹر نے بلوایا ہے شاید بیٹیوں کا پتہ چلا ہو ۔

میں ساتھ چلوں ۔ سکینہ جلدی سے بولی ۔

ارے نہیں نیک بخت ۔ پہلے مجھے ہو آنے دو ۔ معلوم نہیں کیا بات ہے ۔" اتنا کہہ کر اکبر خان ان کے ساتھ ہو لیا ۔ تمام راستے اس کے دل میں سینکڑوں قسم کے طوفان اٹھ رہے تھے ۔ اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس کی بیٹیاں مل گئی ہیں تو وہ کس حال میں ہوں گی ۔ شناخت کا معاملہ ہے ۔ وہ غلط نہیں ہو سکتی ۔ انہوں نے کہا ہو گا کہ ہم فلاں انسان کی بیٹیاں ہیں ۔ تب انہوں نے مجھے بلوایا ہو گا ۔

اف میرے خدا کیا واقعی تو نے اپنی رحمت کر دی ہے ۔ میرے آنگن کے دونوں پھول لوٹا دیئے ہیں ۔ کیا پھر اس طرح آنگن میں ان کی خوشبو

پھیلے گی ۔ کیا پھر بہار آئے گی ۔ اب وہ کیسی ہوں گی ۔ انہوں نے کیسے صدمے اٹھائے ہوں گے ۔ کن کن قیامتوں سے گزری ہوں گی ۔ کیسے کیسے طوفانوں سے کھیلی ہوں گی ۔ اف کتنا عرصہ بیت گیا ۔

وہ ان ہی خیالوں میں گم تھا کہ پولیس اسٹیشن آ گیا ۔ انسپکٹر کے کمرے میں داخل ہو گیا ۔ تو وہاں اس کی بیٹیاں نہیں تھیں ۔

"کہاں ہیں میری بیٹیاں ۔

ہم نے تمہیں شناخت کے لئے بلوایا ہے اکبر خان ۔

وہ اتہ پتہ نہیں بتا رہیں

کیونکہ انہوں نے دو قتل کئے ہیں ۔

"قتل اور میری بیٹیوں نے ۔ نہیں یہ نہیں ہو سکتا ۔"

پہلے شناخت کر لو ۔ کہ تمہاری بیٹیاں ہیں یا نہیں پھر دوسری بات کریں گے

کہاں ہیں وہ ۔ اکبر خان بے صبری سے بولا ۔ لفظ قتل سن کر اس کا وجود جو لاغر ہو رہا تھا مزید کانپنے لگا ۔

"حوالدار ۔ اکبر خان کو شناخت کے لئے لے جاؤ ۔" انسپکٹر نے ایک ملازم کو آواز دے کر کہا ۔ اور اکبر خان کانپتے وجود کے ساتھ اس کے ساتھ چلا آیا ۔

حوالدار اسے لئے ہوئے لاک اپ تک لایا ۔ اور بولا ۔

سامنے دیکھو اکبر خان نے لاک اپ کے اندر جھانک کر دیکھا ۔ اور وہیں ساکت ہو گیا ۔ اس کے سامنے زبیدہ اور عبیدہ دونوں بیٹیاں موجود تھیں اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور دونوں کی گود میں ایک ایک بچہ تھا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھیں۔ اکبر خان لڑکھڑا گیا۔

"پہچانا اکبر خان؟" پشت سے حوالدار کی آواز ابھری۔ اور اکبر خان سلاخوں کے قریب چلا آیا۔ تب دونوں بہنوں نے باپ کی طرف دیکھا۔ بڑا عجیب منظر تھا۔ دونوں آہستہ آہستہ باپ کے قریب آ رہی تھی۔ اور پھر وہ دونوں اکبر خان کے سامنے کھڑی تھیں۔"

"بابو۔ دونوں کے ہونٹ لرزے تھے۔

اور اکبر خان جیسے پتھر ہو چکا تھا۔

"بابو،" زبیدہ نے پھر اسے آواز دی۔

کیا تم دونوں نے شادیاں کر لی تھیں۔" اکبر کو انسپکٹر کے الفاظ یاد آ گئے کہ گھر اُدھر نہیں لوٹ آئیں گی جب بال بچوں والی ہو جائیں گی۔

نہیں بابو۔ یہ بچے ہماری گود میں مجبوری اور بے بسی کی علامت ہیں۔

تمہارا خون اس قدر بے غیرت نہیں تھا۔

پھر یہ کیا ہے۔

انسپکٹر کو ہم نے بتایا ہے لیکن وہ یقین نہیں کر رہا۔

کیا یقین نہیں کر رہا۔ اکبر خان جیسے کہیں دور سے بولا ہو۔

کچھ نہیں بابو تم گھر جاؤ۔ اور اس یقین کے ساتھ جاؤ کہ تمہاری بیٹیوں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔

بس کافی ہے۔ ادھر آ جاؤ اکبر خان۔ مزید بات مت کرو۔ ہم نے شناخت

کروا دی تھی۔ حوالدار نے اکبر خان کو بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

نہیں اکبر خان چیخ اٹھا مجھے بات کرنے دو۔ وہ میری بیٹیاں ہیں۔ باپ سے کچھ کہہ رہی ہیں۔ میں سننا چاہتا ہوں۔ وہ مجھے کچھ سمجھانا چاہتی ہیں۔ لیکن میں سمجھ نہیں پا رہا۔ مت روکو حوالدار۔ انہیں کہنے دو۔ مجھے سننے دو۔ بڑی مدت بعد ملی ہیں۔ ان کے چہروں پر کچھ داستانیں لکھی ہوئی ہیں۔ مجھے ان داستانوں کو پڑھ لینے دو۔ وہ میرا خون ہے۔

کیوں شور مچا رہے ہو قاتلوں سے ملنے کا حکم نہیں ہوتا۔ تمہاری بیٹیوں نے دو خون کئے ہیں۔ ایک عورت اور مرد کو قتل کر ڈالا۔ حوالدار درشت لہجے میں بولا اور اکبر خان کو بازو سے پکڑ کر واپس انسپکٹر تک لے آیا۔

شناخت ہو گئی جناب۔ یہ اکبر خان کی بیٹیاں ہیں۔ حوالدار نے انسپکٹر سے کہا۔

ہوں ٹھیک ہے۔ اور تم اکبر خان اب جاؤ۔

کیوں جاؤں۔ انسپکٹر۔ میری بیٹیوں کو تم نے بند کر رکھا ہے اور کہتے ہو جاؤں۔ مجھے ان سے بات کرنے دو۔ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہیں۔

وہ کوئی بات کہنا چاہتی ہیں۔

وہ جو کچھ بھی کہنا چاہتی ہیں میں سن لوں گا۔ تمہیں بتا چکا ہوں کہ دونوں نے ایک مرد اور ایک عورت کو بڑی بے دردی سے قتل کیا ہے۔ باہر درخت کے نیچے دو چارپائیوں پر لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ حوالدار کے ساتھ جا کر انہیں غور سے دیکھو اور ہمیں بتاؤ کہ یہ کون ہیں۔ انسپکٹر نے اب اسے ایک نیا کام سونپ دیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور اکبر خان کو حوالدار لے کر پھر باہر نکل گیا۔ باہر صحن میں ایک برگد کے نیچے دو چارپائیاں موجود تھیں۔ ان پر چادریں پڑی ہوئی تھیں۔ اکبر خان کو ان کی شناخت کروائی گئی۔ اور اکبر خان نے ذہن پر زور ڈال کر انہیں پہچان لیا۔ عورت اور مرد ان کے کرایے دار تھے۔

"یہ دونوں وہی کرایے دار ہیں جنہوں نے میری بیٹیوں کو اغوا کیا تھا۔"

اکبر خان لرزتی آواز میں بولا۔ کیونکہ آہستہ آہستہ اس کا ذہن صاف ہوتا جا رہا تھا سوچنے سمجھنے کی اس میں طاقت آتی جا رہی تھی۔ جب دوبارہ انسپکٹر کے کمرے میں آیا تو بولا۔

انسپکٹر یہ وہی کرایے دار ہیں جنہوں نے میری بیٹیوں کو اغوا کیا تھا۔ تم اس قدر یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو کہ انہوں نے اغوا کیا تھا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تمہاری بیٹیاں اپنی مرضی سے ان کے ساتھ فرار ہوئی ہوں۔

نہیں انسپکٹر۔ میں مدت ہوئی اپنی بیٹیوں کے بارے ایک رپورٹ درج کروا چکا ہوں۔ اس رپورٹ میں بھی یہی لکھوایا تھا۔ کہ میرے کرایہ داروں نے میری بیٹیاں اغوا کر لیں ہیں۔

اب تم جا سکتے ہو اکبر خان جب ضرورت محسوس کریں گے تم کو بلوا لیا جائے گا۔

میں اپنی بیٹیوں سے ملنا چاہتا ہوں۔

جب وقت آئے گا ملوا دیں گے فی الحال ہمارا وقت برباد مت کرو تم سے شناخت کروانا تھی سو کروا لی۔ اب تم جاؤ۔

نہیں انسپکٹر میں نہیں جاؤں گا۔ مجھے اپنی بیٹیوں کی بات سننا ہے

ہم سن لیں گے۔ اکبر خان تم جاؤ۔ انسپکٹر اسے گھور کر بولا۔

تم عجیب انسان ہو۔ اکبر خان چیخ پڑا۔

میری بیٹیاں ایک مدت بعد مجھے ملی ہیں۔ اور تم ہو کہ ایک باپ کو ان سے بات نہیں کرنے دے رہے۔ انہیں۔ اس وقت اپنے باپ کی ضرورت ہے۔

اکبر خان تمہاری نہیں کسی اچھے وکیل کی ضرورت ہے۔

تم بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے کہ تمہاری بیٹیوں نے دو قتل کئے ہیں۔ جاؤ کسی وکیل کا انتظام کرو۔

وکیل کا کیوں۔ اکبر خان پھر چیخا۔

حوالدار اسے پولیس اسٹیشن کے باہر چھوڑ آؤ۔ جاہل اور گنوار انسانوں کو قانون پڑھانا بہت مشکل ہے انسپکٹر غرا کر بولا۔

"اور حوالدار نے اکبر خان کا بازو پکڑ لیا۔"

"چلو مسٹر اب جاؤ شور مت مچانا پھر مت کہنا کہ پولیس نے زیادتی کی ہے۔"

اور کیا کرو گے مسٹر۔ اور زیادہ سے زیادہ جان سے مار دو گے۔ مار دو ہم زندہ ہی کب ہیں۔ مارو۔ آؤ۔ مارو۔ قتل کر دو مجھے اس قدر تشدد کرو کہ پولیس مقابلہ کہہ کر مجھے بھی مردہ خانہ پہنچا دو۔ اکبر خان نے جھٹکے سے اپنا بازو حوالدار سے چھڑا لیا تھا۔

یہ انسان تشدد پر مجھے آمادہ کر رہا ہے سر۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اکبر خان قانون کو اس قدر تنگ مت کرو کہ تمہیں بھی پکڑ کر بند کر دیں۔ تم سے کہہ چکا ہوں کہ اپنی بیٹیوں کے لئے اچھا سا وکیل کرو۔ انہیں وکیل کی ضرورت ہے تمہاری نہیں۔ اور تم ہماری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے۔

پہلے نہیں سمجھا تھا۔ لیکن پونے دو سال تک اس پولیس اسٹیشن کے اس قدر چکر لگائے ہیں کہ بہت کچھ سمجھ چکا ہوں۔ جانتا ہوں کہ تم لوگوں کو کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو۔ ہاں لگا دو میری بیٹیوں کو پھانسی پر چڑھا دو انہیں انہیں سولی پر۔ ان کی مت سننا۔ ان پر مت یقین کرنا۔ بس وہی کرنا جس سے تم لوگوں کو آسانی ہو۔

آخر تم چاہتے کیا ہو۔

اپنی بیٹیوں سے ملنا چاہتا ہوں۔

قانون اس بات کی ابھی اجازت نہیں دیتا۔

قانون اس بات کی اجازت دیتا ہے یا نہیں دیتا۔ لیکن ایک باپ اپنی بیٹیوں کو ملے بغیر۔ انہیں سنے بغیر واپس نہیں جائے گا۔ تم نہیں جانتے انسپکٹر کہ یہ باپ ایک مدت تک کیسی آگ میں جلتا رہا ہے۔

دن کیسے کاٹے ہیں اور راتیں کیسی گذاری ہیں۔ لمحہ لمحہ مرا اور لمحہ لمحہ زندہ ہوا ہوں۔ تم نے جن کو بند کر رکھا ہے وہ ایک عزت اور عزت میں ایک انسان کی۔ وہ میرا خون ہے۔

کسی اولاد والے سے پوچھو کہ بیٹیوں کا درد کیا ہوتا ہے نہ جانے وہ کن

قانونوں سے کھیلی ہیں کیسی کیسی قیامتیں ٹوٹی ہیں اُن پر۔ کس قدر بھیانک ظلم سہے ہیں انہوں نے۔ اپنے باپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں اور میں سنے بغیر نہیں جاؤں گا۔ خدارا مجھے بھی بند کر دو۔ یا پھر تشدد کرتے کرتے مجھے بھی مار دو۔ اب یہ کیسا ممکن ہے کچھ کہنا چاہتی ہوں اور میں نہ سنوں تم مجھے روک نہیں۔ انسپکٹر۔ تم اپنا یہ قانون بدلو۔ یہ اکبر خان اپنی بیٹیوں کی بات سنے بنا نہیں جائے گا۔

حوالدار اسے لے جاؤ۔ کچھ دیر کے لئے ملزموں سے ملا دو۔ انسپکٹر اکبر خان کے حوصلے سے شکست کھا گیا تھا۔

اس نے سمجھ لیا تھا کہ یہ انسان اس کی جان نہیں چھوڑے گا اور پھر حوالدار اسے لے کر لاک اَپ کے قریب جا کھڑا ہوا اور اکبر خان سلاخوں کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

دونوں نے پھر باپ کی طرف دیکھا۔ گود میں لئے ہوئے بچوں کو انہوں نے دھیرے سے زمین پر ڈال دیا۔ اور اٹھ کر قریب چلی آئیں۔

تم دونوں کو بھوک پیاس تو نہیں لگی میری بیٹیو۔

ہم تو بہت بھوکی ہیں بابو۔ تیرے پیار کی۔ تیرے سینے سے لگنے کی۔ ہماری آنکھیں بہت پیاسی تھیں تم دونوں کو دیکھنے کے لئے۔ ماں کیسی ہے تمہاری کیسی ہے۔

زندہ ہے میری بیٹیو۔ مجھے بتاؤ یہ سب کچھ کیسے ہوا۔

بہت لمبی داستان ہے بابو سینہ چھلنی ہو جائے گا۔ سنتے سنتے تمہارا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دم اکھڑ جائے گا۔ ہم دونوں نے بہت ظلم سہے ہیں باپو۔

جنہوں نے ہم کو اغوا کیا تھا قدرت نے ہم موقع دیا اور ہم دونوں نے انہیں قتل کر دیا۔ بس یوں سمجھ لو کہ زخم زخم روح پر کچھ ٹھنڈک سی محسوس ہو رہی ہے۔ ماں کو بھی ساتھ لے آتے ہم اسے دیکھ لیتیں۔

ترس گئی ہیں ان کو دیکھنے کے لئے۔

میں لے آؤں گا اسے گھبراؤ نہیں۔ انسپکٹر کہہ رہا تھا کہ تم دونوں کے لئے کوئی اچھا سا وکیل کروں۔

بکواس کر رہا تھا۔ مت کرنا کوئی وکیل۔ ہمیں وکیل کی نہیں انصاف کی ضرورت ہے تم باپو انسپکٹر کی باتوں میں مت آنا۔ جاؤ ماں کو لے آؤ ہم اسے دیکھ لیں۔ زبیدہ اتنا کہہ کر دور ہٹ گئی جیسے مزید کوئی بات نہ کرنا چاہتی ہو۔ اور تب خان زادی نے سلاخوں کے باہر ہاتھ نکال کر باپ کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور بولی۔

بس باپو صرف اتنا یاد رکھنا کہ تیری دونوں بیٹیوں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ ایک عزت مند باپ کی بیٹیاں تھیں اور عزت کے نام پر پھانسی لگ جائیں گی۔

قسم رب العزت کی کہ۔ نہ تو تمہارا خون گندا تھا اور نہ ہی ماں کا دودھ بس ہم سے حفاظت نہیں ہو سکی۔ بے بس اور مجبور تھیں۔" اتنا کہہ کر خان زادی نے زور سے سر سلاخوں پر دے مارا اور سسک پڑی۔"

اے کیا خودکشی کرنے کا ارادہ ہے۔ حوالدار بھڑک کر قریب پہنچا۔

بات کرنے دو۔ وہ کچھ نہیں کر رہی۔ زخم ننگے ہو جائیں تو درد کی ٹیسیں اٹھتی ہیں۔ اکبر خان جلدی سے بولا۔

بس اب وقت ختم ہو گیا پھر آ کر بات کر لینا۔ حوالدار نے اتنا کہہ کر اکبر خان کا بازو پکڑا اور اسے حوالات سے دور لیتا چلا گیا۔ وہ رو رہا تھا۔ بیٹی کے الفاظ اس کے وجود کے اندر اتر کر اسے ریزہ ریزہ کر گئے تھے کہ نہ تو تیرا خون گندہ تھا اور نہ ماں کا دودھ۔ بس ہم بے بس اور مجبور تھیں۔

میں کھانا لے کر آتا ہوں بیٹی گھبراؤ مت۔ یہ قانون والے تمہارا کچھ نہیں بگاڑ پائیں گے۔ میں دیکھ لوں گا اس قانون کو اور قانون بنانے والوں کو۔ اکبر خان چیختا ہوا باہر نکلتا چلا گیا۔

وہ دیوانہ وار گھر کی طرف بھاگ رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا تو اس کے پر ہوتے تو اڑ کر گھر پہنچ جاتا۔ وہ اپنی بیٹیوں کے لئے کھانا تیار کروانا چاہتا تھا۔ پتہ نہیں انہوں نے کب سے اچھا کھانا نہیں کھایا تھا۔ پورے ایک کوس کا فاصلہ اس نے بھاگتے ہوئے طے کیا تھا۔ اور پھر جیسے ہی اس نے گھر کی دہلیز عبور کی چیخ پڑا۔

اے زبیدہ، جمیلہ کی ماں۔ تیری بیٹیاں مل گئیں۔ کھانا پکاؤ۔ اچھی اچھی چیزیں پکاؤ۔ ہر وہ شے پکاؤ جو وہ شوق سے کھایا کرتی تھیں۔

مجھے لے چلو۔ اکبر خان۔ جلدی کرو۔ میں ان کو دیکھوں سکینہ وفور جذبات سے رو پڑی۔

صبر کرو۔ اور جلدی کرو کچھ پکاؤ پھر لے چلوں گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچھے اچھے کھانے پکاؤ۔ اور ناصر کہاں ہے۔ اُو ناصر خان ادھر آؤ۔
اکبر خان چیخ رہا تھا۔ اور سکینہ شوہر کے سینے سے لگی وفورِ جذبات کانپ رہی تھی۔ ناصر بالائی منزل پر تھا۔ اور اکبر خان نے مختصر الفاظ میں اسے بتا دیا کہ اس کی بہنوں کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا۔ اور اس وقت وہ کس پوزیشن میں ہیں۔

میں انہیں ملنے پولیس اسٹیشن جا رہا ہوں۔

ارے ابھی نہیں۔ قانون آڑے آ رہا ہے پہلے ان دونوں کے لیے کچھ پکا لو پھر ایک ساتھ چلیں گے۔

کہیں وہ کمزور تو نہیں ہو گئیں سکینہ بلک کر بولی۔

جیسی بھی ہیں وہ تیری بیٹیاں ہیں۔ اکبر خان کی بیٹیاں ہیں غیرت مند اور حیا والی ہیں۔ جلدی کرو ناصر۔ جاؤ۔ بازار جاؤ اور ہر وہ شے اٹھا لاؤ جو وہ شوق سے کھاتی تھیں۔

اُجڑے ہوئے گھر میں پھر بہار آ گئی تھی بیٹیوں سے ملنے کی خوشی ماں سے چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ ناصر بازار سے جا کر اٹھا لایا تھا۔

پھر کھانا بناتے وقت سکینہ پوچھ بیٹھی۔

میری بیٹیوں کو پولیس چھوڑ دے گی نا۔

ضرور چھوڑ دے گی۔ تم فکر مت کرو۔ اکبر خان نے اپنے وسوسوں کو بری پر ظاہر نہ کیا۔ باورچی خانہ بہت گرم ہو رہا تھا۔ اور ڈھیر سارے کھانے تیار ہو رہے تھے۔ ناصر چپکے سے پولیس اسٹیشن چلا گیا تھا۔ وہ باپ کی

باتوں سے الجھن محسوس کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ پولیس اسٹیشن میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے حوالات کے سامنے کھڑے ملازم کو دیکھا اور بولا۔

یہ سو کا نوٹ ہے آپ رکھیں۔ اور دو تین منٹ مجھے اپنی بہنوں سے ملاقات کر لینے دیں۔

غیر قانونی کام ہے مسٹر۔ ملازم سو کا نوٹ اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔ پھر آہستہ سے اِدھر اُدھر دیکھ کر بولا۔ بس دو تین منٹ سے زیادہ وقت نہ لینا۔

گھبراؤ مت۔ اتنا کہہ کر ناصر حوالات کی سلاخوں تک جا پہنچا اور ملازم ریلنگ دیوار کے ساتھ کھڑی کر کے دوسری طرف دیکھنے لگا۔ سو روپیہ کا نشہ کافی تھا۔ اور پھر ناصر تین منٹ ہی کھڑا ہوا جب وہ واپس لوٹا اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ بہنوں کے ساتھ اس نے کیا گفتگو کی تھی کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ وہ ملازم کی طرف دیکھے بغیر باہر نکلتا چلا گیا۔ وہ جتنی تیزی سے پولیس اسٹیشن آیا تھا اتنی ہی تیزی سے واپس لوٹ گیا تھا۔ گھر پہنچتے ہی یوں باپ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

میں پولیس اسٹیشن سے ہو آیا ہوں باپو۔

اکبر خان نے بیٹے کے چہرے اور تمتماتے گالوں کو دیکھا اور بولا

کچھ کہنا چاہتے ہو۔

گھر میں کتنا روپیہ پیسہ ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ الوداع کرتے وقت ان کو دے دیں گے۔

لائیے مجھے دے دیجئے میں اس کو فروخت کرآؤں کیونکہ انہیں ایک اچھے وکیل کی ضرورت ہے۔

کیا میری بیٹیوں نے کہا ہے کہ انہیں اچھے وکیل کی ضرورت ہے۔ ان پر مقدمہ تیار ہو رہا ہے۔

انہوں نے قتل کیا ہے۔ دو بے غیرتوں کو قتل کیا ہے۔ اور کوئی جرم نہیں کیا۔

بابو۔ انہیں کسی اچھے وکیل کی ضرورت ہے ورنہ ان کو پھانسی ہو جائے گی

مجھے زبیدہ نے منع کر دیا تھا کہ وکیل کی کوئی ضرورت نہیں۔

ضرورت ہے بابو۔ دراصل وہ خود اپنے آپ کو موت کے حوالے کرنا چاہتی ہیں۔ وہ تو اب مزید جینا نہیں چاہتیں۔ لیکن مجھے اپنی بہنوں کی ضرورت ہے۔

جاؤ بیٹے جاؤ۔ ان سے اگر کام چلتا ہے تو چلا لو۔ میرے پاس یہی کچھ ہے۔

میں کسی اچھے اور رحمدل وکیل کو تلاش کر لوں گا۔ شاید کام بن جائے لیکن تھوڑا بہت اسے دینا پڑے گا۔ خالی پیٹ کوئی وکیل مقدمہ نہیں لڑے گا۔

جو دل چاہے کرو۔ مجھے کوئی انکار نہیں۔ اکبر خان بیٹے کے جذبات کو سمجھتے ہوئے آہستہ سے بولا۔ اور پھر کچھ دیر بعد ناصر خان زیور لے کر چلا گیا۔

سکینہ نے ڈھیر سارے کھانے تیار کر لیئے تھے۔ اور پھر وہ اپنے شوہر کے ساتھ پولیس اسٹیشن روانہ ہو گئی۔ تمام راستے وہ بیٹیوں کو دیکھنے اور ان سے ڈھیروں باتیں کرنے کا سوچتی رہی۔ وہ کیسی ہوں گی اور ماں سے کس طرح ملیں گی جب وہ پولیس اسٹیشن پہنچے پولیس والوں نے انہیں ملنے نہ دیا اور کھانا لے کر حوالات میں پہنچا دیا۔

مجھے میری بیٹیوں سے ملنے کیوں نہیں دیتے ظالم۔

انسپکٹر کی اجازت نہیں۔ جب وہ آ جائے تو اس سے اجازت لینے کے بعد مل لیں گے۔ پولیس والوں نے بڑا کورا جواب دیا تھا۔ اور پھر اکبر خان نے وہی کیا جو ناصر کر گیا تھا۔ کچھ پیسے ان لوگوں کو دے دیئے اور پھر پندرہ بیس منٹ کی تکرار کے بعد انہیں اجازت مل گئی۔

بڑا عجیب منظر تھا۔ دونوں ماں سے سلاخوں سے بازو باہر نکال کر لپٹی ہوئی تھیں۔ اور سکینہ بی بی ان کی ہزاروں بلائیں لے رہی تھی۔ چوم رہی تھی ان کے بازوؤں کو۔ ان کے پور پور کو چوم رہی تھی اور دیوانہ وار قربان ہو رہی تھی پیشانی پر سینکڑوں بوسے دے رہی تھی۔ لیکن اس کا دل نہیں بھر رہا تھا۔ اکبر خان چپکے چپکے رو رہا تھا۔ سکینہ جب چوم چاٹ کر فارغ ہوئی تو بولی

بولو تمہارے ساتھ کیا ہوا۔ ماں کو بتاؤ۔

کچھ مت پوچھو ماں۔ ہمارے پاس کہنے کے لئے کچھ بھی نہیں یہ دو بچے کنواری ماؤں کی گود میں ہیں ہماری بے بسی اور مظلومیت کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ اس لئے ہم سے کچھ مت پوچھو۔ بس دعا کرو کہ ہم دونوں ایک بار عدالت تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہنچ جائیں۔ ایک بار ہی اپنی داستان دوہرا دیں گی۔

اور ماں دیوانوں کی مانند پھر انہیں چومنے لگی لیکن [illegible] نے انہیں زیادہ دیر وہاں بیٹھنے نہ دیا اور سکینہ اپنے شوہر کے ساتھ پولیس والوں کو کوستی واپس لوٹ آئی۔ پہلے بیٹیاں نہ ملنے کا غم کھا گیا۔ اب ملی تھیں تو ان کی حالت دیکھ کر اور موجودہ سچویشن نے انہیں ادھ موا کر دیا تھا۔ دونوں ان کی طرف رحم طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے واپس لوٹ آئے تھے۔

انسپکٹر شاہ پریشان تھا۔ اور پریشان ہونے کی وجوہات بھی تھیں۔ دونوں لڑکیوں کے مشترکہ بیان نے اسے ذہنی طور پر خالی کر چھوڑا تھا۔ انہوں نے اپنی داستان میں کسووال تھانے کے انچارج پر الزام لگایا تھا کہ اس نے ان کی جان بچانے کی بجائے مجرموں کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ وہ راتوں تک اپنا مُنہ کالا کرتا رہا تھا۔ اور پھر ایک معقول رقم لے کر دونوں کو بیچ دیا تھا اور یہ بات انسپکٹر شاہ کو پریشان کیے ہوئے تھی۔ وہ کسووال گیا تھا پھر اس انچارج سے ملا تھا جو کسی دوسرے علاقے میں تعینات۔ دونوں کے درمیان کچھ گفتگو ہوئی تھی۔ اور انسپکٹر شاہ واپس لوٹ آیا تھا۔

رات کے گیارہ بج رہے تھے اور انسپکٹر شاہ اپنے دفتر میں موجود تھا۔ جب اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اس نے اپنے ماتحت اے۔ ایس۔ آئی جبار کو بلوایا۔

مسٹر جبار ان دونوں کے بیان کے اس پیراگراف کو کیسے ختم کیا جائے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہاری سمجھ میں کچھ بات آرہی ہے۔

تشدد جناب۔

کیا مطلب۔

اُن پر تشدد۔ ان کے ماں باپ پر تشدد تاکہ وہ عدالت میں اس حصے کو غائب کردیں۔ ورنہ بڑی بدنامی ہوگی۔

کسو وال تھانے کا سابقہ انچارج ہمارا دوست بھی ہے اس نے کہا ہے کہ ہر حالت میں انہیں عدالت جانے سے روکا جائے۔

اور اگر عدالت میں جانے بھی دیا جائے تو ان کے بیان کے اس خطرناک حصے کو کیسے ختم کیا جائے۔

پھر ایسا کریں کہ انہیں باعزت چھوڑ دیا جائے اور نامعلوم ملزموں پر قتل کا الزام لگا دیا جائے۔

میں نے اس لائن پر بھی سوچا ہے۔ لیکن دونوں لڑکیاں بضد ہیں کہ انہوں نے قتل کیا ہے اور انہیں عدالت تک پہنچایا جائے۔

یہ تو بہت بڑا عذاب ہے سر۔ اس کیس کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔ وہ اخباری رپورٹروں کو بیان دے دیں گی۔ انہیں کیسے روکا جاسکتا ہے۔

ان کے ماں باپ سے بات کریں۔

چلو بلواؤ انہیں۔

اس وقت۔

یہی وقت مناسب ہے۔ تینوں کو لے آؤ۔ اور ہاں چھوٹی کو نکال کر میرے

پاس چھوڑ جاؤ۔ شاید ڈر جائے اور ہماری بات مان جائے۔

جوبہتر۔ جبار چلا گیا اور کچھ دیر بعد خان زادی انسپکٹر شاہ کے سامنے موجود تھی۔ وہ بچے کو حوالات میں چھوڑ آئی تھی۔

بیٹھ جاؤ لڑکی۔

اور خان زادی جیسے ہی زمین پر بیٹھنے لگی۔

دھر کرسی پر بیٹھو۔

نہیں میں ادھر ہی زمین پر ٹھیک ہوں خان زادی کا لہجہ بڑا خشک تھا۔

ہم تمہیں ایک شاندار مستقبل کی آفر دینا چاہتے ہیں اور تمہارے ماں باپ کو بھی بلوایا ہے۔ اگر تم دونوں بہنیں چاہو تو تم دونوں کو تھانے ہی سے ہی باعزت چھوڑا جاسکتا ہے۔

ہم نے دونوں قتل بھی کئے ہیں وہ کن لوگوں کے سر ڈالو گے۔

وہ ہمارا دردسر ہے۔

کسی بے گناہ کو پھانسی لگوا دو گے۔

کتنی بھی نہیں۔ نامعلوم افراد نے قتل کیا۔

ہمیں کیا کرنا ہوگا۔

کچھ بھی نہیں صرف زبان بند رکھو اور گھر چلی جاؤ اور اچھی زندگی کا آغاز شروع کردو۔

تمہارا مطلب ہے تمام حساب کتاب ختم۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیسا حساب کتاب" انسپکٹر شاہ اُسے گھور کر بولا۔

ہم نے دو قتل کئے۔ ہم کو اغوا کیا گیا۔ اور ایک پولیس انسپکٹر نے فریاد سن کر بھی آہ و زاری کی اور ہمارے دام وصول کر لئے

اور یہ سب کچھ ختم کرو۔

ذہن صاف کر لو۔ اور میں چاہتا ہوں کہ اچھی زندگی کا آغاز کرو۔ تمہارے ماں باپ تمہارے منتظر ہیں وہ خاندان میں یا خاندان سے باہر تم دونوں کی شادیاں کر دیں گے اور تم اپنے گھر آباد کرنے کے بعد سب بھول جاؤ گی۔

کون قبول کرے گا ہمیں۔

ہر شریف نوجوان تم دونوں کو قبول کرے گا۔

پہلے دو شریف انسان تلاش کر لاؤ۔ اگر تم ان کو ہم سے شادی پر راضی کر سکے تو شائد کچھ سوچا جائے۔

میں نے تمہارے گھر والوں کو بلوایا ہے

کیوں۔

تم کسووال تھانے کے انچارج کو بچانا چاہتے ہو۔

میں تم دونوں کو بچانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ تم دونوں کے ساتھ بڑا ظلم ہوا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ مزید قانون کے چکروں میں پڑ کر ساری زندگی جیل کی کوٹھری میں گزار دو۔

تمہارے مشورے کا بہت شکریہ

تو تم اس پر عمل نہیں کر رہی۔

نہیں آپ کیس بنا کر عدالت میں بھیجیں میں انصاف کی طلبگار ہوں۔

تمہیں انصاف تو یہاں بھی مل رہا ہے۔ تمہیں پھانسی سے بچایا جا رہا ہے۔ تم دونوں بہنوں کو عزت کی زندگی دی جا رہی ہے۔

ہم دونوں بہنوں کو ایسی عزت کی زندگی نہیں چاہیئے کہ ہم پر رحم کھایا جائے خان زادی کا لہجہ زہریلا تھا۔

میرے پاس دوسرا طریقہ بھی ہے لڑکی۔ انسپکٹر شاہ تپ کر بولا۔

پھر مزید بولا۔

یہی کہ تمہارے ماں باپ پر تشدد کروں۔ تمہاری ماں کی شلوار میں چوہے ایک باپ کے سامنے بیٹیوں کے کپڑے اتروا کر پورے صحن میں پریڈ کراؤں۔

لعنت ہے تم پر تم جیسے کتے اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔ بیٹیوں کے کپڑے اتروا ؤ گے انہیں بے لباس کرو گے شاید تمہیں نہیں معلوم انسپکٹر کہ ہم دونوں بہنیں اتنی بار بے لباس ہو چکی ہیں اتنی بار کپڑے اتارے ہیں اور اتنی مدت ننگی رہ چکی ہیں کہ مجھے تو اب بھی یقین نہیں کہ کپڑے پہنے ہوئے ہوں کہ بے لباس ہوں۔ یہ وجود جو دیکھ رہے ہو زندہ لاشیں ہیں جو بے گور و کفن ہیں جو ابھی دفنائیں نہیں گئیں۔ ہم ظلم کی اس چکی میں دو سال تک پستی رہی ہیں۔ کہ اب مزید کوئی ظلم ہمارے وجود میں حرارت پیدا نہیں کر سکتا۔ ہم ذہنی طور پر مردہ ہیں بے حس ہیں تم جس قدر چاہو بے عزتی کا مظاہرہ کر دیکھو جس قدر چاہو انسانیت کی دھجیاں اڑا لو۔ ہم پتھر ہیں۔

ہاں ایک اور راستہ ہے کہ تم ہمیں بیچ دو۔ ہمارے دام وصول کر لو اور دوبارہ بھیڑیوں کے حوالے کر دو۔ ورنہ تمہاری جان نہیں چھوٹے گی انسپکٹر۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم جیسے لوگوں کو تختہ دار تک لے جانا چاہتی ہوں۔

یا پھر ایک اور راستہ ہے۔

کون سا راستہ۔

یہی کہ تم اپنی کسی جوان بیٹی کو۔ بیٹی نہ ہو تو بہن کو۔ اگر وہ بھی نہ ہو تو اپنی بیوی کو تھانے لے آؤ۔ اس کے کپڑے اتارو اور اس کی آبروریزی کرنے کی بجائے صرف صحن میں اس کی پریڈ کراؤ۔

کیا بکتی ہو۔ انسپکٹر غصہ سے اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

چیخو مت۔ یہ کام تم جیسے لوگوں کے لئے بہت معمولی حیثیت رکھتے ہیں۔ کر دیکھو۔ اس ایک عورت کا لباس اتار کر چند لمحوں کے لئے اسے بے آبرو کر دو یہاں دیکھنے والا بھی کوئی نہیں ہے پھر میں سب کچھ بھول جاؤں گی۔ اور تمہارے کہنے پر عمل کرتے ہوئے گھر چلی جاؤں گی۔

انسپکٹر میز کے پیچھے سے باہر نکلا تھا۔ اور اس کے منہ پر پوری قوت سے بوٹ دے مارا۔ خان زادی کا ہونٹ پھٹ گیا۔ اس نے بڑی نفرت سے تھوکا اور بولی۔

میں کسی کی بیٹی نہیں ہوں۔ کسی کی بہن نہیں ہوں۔ کسی کی عورت نہیں۔ عزت نہیں ہوں۔ کتے ذلیل۔ مارو۔ اور مارو اس وقت تک مارتے رہو جب تک تم تھک نہیں جاتے یا میں دم توڑ نہیں دیتی۔

تم نے شاید ابھی پولیس کا تشدد دیکھا نہیں صرف کپڑے پہننے اور اتارنا ہی سیکھے ہیں حرامزادی۔

خان زادی زمین سے اٹھ کھڑی ہوئی اور زمین پر خون تھوکتے ہوئے تن کر انسپکٹر کے سامنے کھڑی ہو گئی اور بولی۔

تم اپنے تشدد کی انتہا کر دیکھو۔ اور میں تمہیں اپنا صبر دکھاؤں گی۔ تم جیسے انسان۔ گندے قانون کے لوگوں نے اس شعبے کو بدنام کر دیا ہے۔ یہ محکمہ ہمارے تحفظ کا آئین ہے۔ یہ لوگ قوم کی عزت و وقار، جان و مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ تم جیسے لوگ قوم کی بیٹیوں کو بے لباس کرتے ہیں۔ صرف اس کی وجہ یہ ہے کہ تم جیسے لوگوں کی ماؤں نے ضرور جوانی میں آئے ہوئے ابال کو کسی گندے طریقے سے ختم کیا ہو گا۔ اور تم جیسے لوگ پیدا ہوتے ہوں گے تب کوئی دودھ کا گندہ قطرہ تم لوگوں کے حلق کے نیچے اتر گیا ہو گا۔ ورنہ انسان اس قدر پست نہیں ہو سکتا۔ اس قدر گھٹیا اور جنونی نہیں ہو سکتا کہ اپنے ہی خون سے ہولی کھیلنا شروع کر دو۔

تڑاخ۔ بڑے زور کا تھپڑ تھا جو انسپکٹر نے اس کے منہ پر دے مارا تھا۔ اور خان زادی نے بڑی حقارت سے منہ میں بھر جانے والا خون زمین پر تھوکا۔ اور بولی

وہ بھی تو ہیں جو وطن کی سرحدوں کی ہی نہیں وطن کی ماؤں بیٹیوں کی اپنی جان دیکر حفاظت کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی ماؤں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہوتا۔

خاموش ہو جاؤ۔ انسپکٹر چیخ اٹھا۔

مارو۔ اپنی طاقت آزماؤ۔ لیکن تم کو فرعونیت کا حساب دینا ہو گا۔ تمہیں بتانا ہو گا کہ تشدد کسے کہتے ہیں۔ وہ اسے خونخوار انداز میں گھورتے ہوئے بولی۔ پھر اس نے باہر نکل کر ملازم کو آواز دی تھی۔ دوسری کو بھی لے آؤ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

در کچھ دیر بعد زبیدہ دونوں بچوں کو سنبھالے وہاں آگئی ۔

ان حرامی پلوں کو ادھر زمین پر ڈال دو ۔

یہ کتے کے پلے نہیں تم جیسے انسان کے بچے ہیں اور انہیں ہم نے پیدا کیا ہے۔ ان کا قصور یہ ہے کہ یہ پیدا ہو گئے۔ اور پیدا اس لئے ہو گئے کہ انسانوں کے لباس میں رہنے والے بھیڑیوں کو بے نقاب کر سکیں ۔ یہ ہمارے پاس اس ظلم اور آبروریزی کی نشانی ہے ۔ جو ہم کنواری لڑکیوں پر روا رکھی گئی اور پھر انسپکٹر ہم نے انہیں تخلیق کیا ہے ۔ ماں بھی ہیں ۔ لیکن یہ ہے اندا اس لئے انہیں اپنی گود میں لئے ہوئے ہوں ۔

ان کو ذلیل مت کرو ۔ یہ تخلیق ہے ۔

بکواس بند کرو ۔ تم دونوں کو زندگی سے پیار نہیں ۔ ورنہ ہم سے تعاون کرتیں ۔

تمہارے ماں باپ آجائیں ۔ پھر بتاتا ہوں ۔

کیا بتانا چاہتے ہو ۔

لیکن انسپکٹر نے کوئی جواب نہیں دیا ۔ البتہ اسے کینہ توز نظروں سے گھورتا رہا ۔ اور اس وقت تک گھورتا رہا جب تک اکبر خان ، سکینہ بی بی اور ناصر کو پولیس لے کر نہیں آ گئی ۔

”سنو تم سب ۔ انسپکٹر نے اکبر خان کو گھورتا ہوا بولا ۔ میں ان لڑکیوں کو چھوڑنا چاہتا ہوں ۔ قتل جیسا سنگین جرم کسی نامعلوم افراد کے سر ڈال کر انہیں باعزت زندگی گزارنے کا موقع دینا چاہتا ہوں ۔ ان کے ساتھ جو ظلم

ہوا ہے اس کا کچھ مداوا ہو سکے ۔ لیکن یہ تمہاری بیوقوف بیٹیاں چاہتی ہیں کہ مزید رسوا ہوں اور پھانسی کے پھندے تک جا پہنچیں ۔ میں تم لوگوں کو صرف پانچ منٹ تک مہلت دیتا ہوں اس کے بعد پولیس اپنی کارروائی کریگی اور وہ کارروائی یہ ہو گی کہ تمہاری بیٹیوں کو ننگا کیا جائیگا بھائی اور باپ کے سامنے اس عورت کو بے لباس کیا جائیگا ۔ جو اپنے آپ کو ان الو کی پٹھیوں کی ماں سمجھتی ہے ۔ اور پھر اس صحن میں وہ ڈرامہ ہو گا شائد تم لوگ تصور تک نہ کر سکو ۔ پولیس تشدد کا تم نے نام سنا ہے اسے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا اتنا کہہ کر انسپکٹر اپنے دفتر میں چلا گیا اور ملازم ان سے فاصلہ ہٹ کر کھڑا ہو گیا ۔ اکبر خان جس کا خون خشک ہو گیا تھا ۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا ۔

یہ سب کیا ہے بیٹی ۔

ابھی شائد قدرت نے ہم سے مزید امتحان لینے ہیں بابو ۔ زبیدہ کا لہجہ بڑا پُراسرار تھا ۔

تم انسپکٹر کی بات مان کیوں نہیں جاتی آؤ گھر چلیں ۔ وہ تم پر پولیس کیس ختم کرنا چاہتا ہے

اور ہم کو تمام زندگی کے لئے تڑپنے سسکنے اور گھٹ گھٹ کر مرنے کے چھوڑ دینا چاہتا ہے ۔ وہ ہماری مدد کر رہا ہے بیٹی ۔ تم دونوں کو آزاد کر رہا ہے ۔

حقائق کو دبانا چاہتا ہے ۔

جو ہو گیا سو ہو گیا ۔ سب بھول جاؤ ۔ چاند پر تھوکنے سے چاند داغدار نہیں ہوتا ۔ تم دونوں ماں باپ کے لئے اب بھی معصوم اور پاکیزہ ہو ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں باپو۔ وہ نہیں ہوگا۔ جو انسپکٹر چاہتا ہے۔ اس بار خان زادی
بول پڑی۔

میری بیٹیو۔ سکینہ دیوانہ وار ان کی طرف بڑھی اور بیک وقت دونوں
اپنی باہوں کے حصار میں لے کر بولی۔ اپنے ماں باپ پر رحم کرو۔ ہم نے بہت
دکھ جھیلے ہیں ہم روز مر مر کر جیسے ہیں وجود سے زندگی کی رمق ختم ہو رہی ہے
اب پولیس والے کو دیکھو کس قدر بے شرمی کی باتیں کر رہا ہے۔

ماں وہ بہت چھوٹی سی بات کر رہا تھا۔ ہم دونوں بہنیں عذاب سے
گزری ہیں۔ شاید تم لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے ہم تو ان لوگوں کو اپنے ماں
باپ کا پتہ بھی نہیں بتا رہی تھیں۔ لیکن انہوں نے آپ لوگوں کو تلاش
کر لیا۔

پھر کیا چاہتی ہو۔

انسپکٹر جانتا ہے کہ ہم دونوں کیا چاہتی ہیں۔

وہ ہم کو بوڑھے ماں باپ کے سامنے ذلیل کرے گا۔ یقین نہیں رہا
تھیں کہ کیا کہہ رہا تھا۔

وہ جو کہتا ہے کہنے دو ماں۔

نہیں۔ اکبر خان چیخ پڑا۔ وہ ننگے پن کے تصور سے کانپ اٹھا۔

اچانک ناصر آگے بڑھا اور دونوں کو باری باری گھورتے ہوئے بولا
جو کچھ بھی ہوا وہ تم دونوں کے ساتھ ہوا اسے تم دونوں جانتی ہو۔ دونوں ایک
دوسرے کی گواہ ہو۔ لیکن اب جو کچھ ہوگا وہ ہمارے ساتھ ہوگا۔ کیا تم دونوں

یہ چاہتی ہو کہ وہی عمل ہم سب کے ساتھ دہرایا جائے جس سے تم دونوں گزرتی
رہی ہو۔ ماں باپ کو بے لباس کرنا چاہتی ہو۔ اور کیا خود ہمارے سامنے ہونا
چاہتی ہو۔ پہلے تم دونوں مری تھیں۔ اور کیا اب باقی گھر والوں کو ننگے پن کے
احساس سے مارنا چاہتی ہو۔ ختم کرو سب کچھ جو کچھ ہوا تقدیر کا کھیل مقدر کا
کیا دھرا جان کر صبر کر لو۔ ہم لوگ اس قابل نہیں ہیں کہ اس قسم کی ذلت برداشت
کر سکیں۔" اتنا کہہ کر ناصر اس شرمناک تصور سے ہی رو پڑا۔ اسے انسپکٹر
خونخوار لگا تھا۔ اس نے اس کے تیور دیکھے تھے۔ اس کے لہجے کی اہمیت کو
جانا تھا۔ اور اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ وہی کچھ کرے گا جو کہہ گیا ہے اس
انسان سے کچھ بعید نہیں تھا لیکن وہ اس کی بہنوں کو کیوں چھوڑنا چاہتا ہے
وہ قتل کی مجرم تھیں اور اقبال جرم کر چکی تھیں پھر اس قدر رعایت کیوں؟۔
کیا کوئی اس کا اپنا مسئلہ پھنس گیا تھا؟

یہ سب کچھ ناصر نہیں جانتا تھا۔ بس وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح ان کی جان
چھوٹ جائے۔

اچانک انسپکٹر شاہ اپنے دفتر سے نکل کر پھر صحن میں آ گیا اس کے
ہاتھ میں بید کی چھڑی پکڑی ہوئی تھی

"کیا فیصلہ کیا تم لوگوں نے؟

تب اکبر خان نے دیکھا کہ اس کی دونوں بیٹیاں انسپکٹر شاہ کو شعلہ بار
نگاہوں سے گھور رہی تھیں۔ اس نے دونوں بیٹیوں کے تیوروں کو دیکھا اور پھر
ایک دو قدم آگے بڑھ کر بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انسپکٹر۔ یہ دونوں خان زادیاں ہیں۔ ان کے وجود میں پٹھانی خون گردش کر رہا ہے۔ اور پٹھانی خون جب گرم ہو جائے تو اسے ٹھنڈا کرنے کے لئے تشدد نہیں محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم نے جو تشدد آزمانے کی بات کی ہے اسے شاید یہ دونوں قبول کر لیں۔ اور شاید ہم بھی قبول کر لیں۔ لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ تم ہمیں تماشہ مت بناؤ اور ہماری بیٹیوں کو محبت سے سمجھاؤ۔

ہم بہت محبت کر چکے ہیں اکبر خان۔ ہم دونوں سے یہی کچھ کہہ چکے ہیں۔ لیکن شاید ان کا دماغ کام نہیں کر رہا۔ اور اب ہمارے پاس بھی دو تین گھنٹے ہیں۔ صبح ہم کو ہر حالت میں ان دو لاشوں کا کچھ کرنا ہے قانون کوئی مذاق نہیں ہے۔ لہٰذا فیصلہ ابھی ہو گا۔ اور اسی وقت ہو گا۔ انسپکٹر کی آواز کی بازگشت ختم ہونے کے بعد سناٹا چھا گیا۔ اکبر خان کا سر جھکا ہوا تھا۔ سکینہ بی بی، ناصر زبیدہ اور عبیدہ کو دیکھ رہے تھے اور وہ دونوں انسپکٹر کو گھور رہی تھیں۔ بڑا عجیب و غریب منظر تھا۔ اے۔ ایس۔ آئی جبار اور اسکے کچھ ملازم دیوار کے ساتھ کھڑے تھے شاید انسپکٹر کے حکم کے منتظر تھے۔

اچانک خان زادی کی آواز صحن کے غیر فطری سے سناٹے کو چیر کر ابھری انسپکٹر ہم دونوں بہنوں کی گود میں دو بچے ہیں۔ ان کے باپوں کو تم تلاش کرو۔ تمہاری ہر بات ہم مان لیتی ہیں۔

تمہارا ذہنی توازن تو درست ہے۔ انسپکٹر خونخوار انداز میں اسے گھورتا ہوا بولا۔

ذہنی توازن تمہارا درست نہیں انسپکٹر۔ جو تم ایک سیدھے سادھے کیس کو خراب کر رہے ہو۔ ہم دونوں بہنوں نے تمہیں پوری داستان لمحہ لمحہ سنانے والے خون کی داستان سنا دی ہے۔ تمہارا کام ہے کیس تیار کرو ہم دونوں کو عدالت میں پیش کرو۔ لیکن تم اپنے جیسے انسان کو بچانے کے لئے اتنا لمبا کھڑاک کر رہے ہو۔ اتنا بڑا رسک بھی لے رہے ہو اور قانون کو بھی ہاتھ میں لے رہے ہو نہیں انسپکٹر ذہنی توازن تمہارا خراب ہے۔ عقل تمہاری ماری گئی ہے یہ قانون کا ادارہ ہے ہمارے تحفظ کے لئے ہے اور تم نے ہم سب کو بے لباس کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ ہمیں دھمکا رہے ہو بہتر یہی ہے کہ ان شریف لوگوں کو عزت سے گھر جانے دو۔ اگر تم نے ان کی بے حرمتی کی۔ انہیں بے عزت کرنے کی کوشش کی تو قسم ہے رب العزت کی میں تمہیں قتل کر دوں گی۔ خان زادی کا لہجہ بڑا زہریلا اور خونخوار تھا۔ کہ دوسرے افراد تو ایک طرف رہے خود انسپکٹر کو پسینہ آ گیا تھا۔ لیکن چند لمحوں تک بڑی عجیب سی خاموشی چھائی رہی۔ دونوں ایک دوسرے کو گھورتے رہے اور پھر اچانک انسپکٹر کو ہوش آیا جب ہوش آیا تو اس نے اے۔ ایس۔ آئی جبار کی طرف دیکھا اور بولا۔

یہ ہمیں قتل کرنا چاہتی ہے جبار۔ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ پولیس اسٹیشن پر ایک پولیس انسپکٹر کو قتل کرنے کی دھمکیاں دے رہی ہے۔

میں اپنی کارروائی شروع کر رہا ہوں جناب۔ اجازت دیجئے۔

اجازت ہے۔ چوہے کا پنجرہ لاؤ اور اس کی ماں کی شلوار میں چھوڑ دو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مں - نہیں - مد سکینہ ایک دم چیخ پڑی ۔

چیخو مت ماں - جان دے دو - بے عزتی کی زندگی سے عزت کی موت مر جائیں - خان زادی ہونٹ بھینچ کر بولی ۔

اور اس پولیس اسٹیشن پر ایک ایسا تماشا شروع ہو گیا - کہ تاریخ کے کسی بدترین حصے پر بھی اس کی مثال نہیں ملتی ۔''

ایک بار پھر وہ بے لباس ہوئیں - ماں باپ اور بھائی بے لباس ہوا - ماں کے ساتھ دونوں بیٹیوں کی شلواروں میں چوہے چھوڑ دیئے گئے ۔

چیخیں آہیں اور سسکیوں سے فضا گونج رہی تھی - اور انسپکٹر ہی نہیں پورا عملہ ان بے لباس خاندان کو گھور رہا تھا پھر اچانک قدرت کو ان پر رحم آ گیا - خان زادی نے جبار کے ہولسٹر سے ریولوا لیا تھا اور جبار جو کاروائی میں مصروف تھا خالی ہولسٹر محسوس نہ کر سکا - یہ تو اس وقت علم ہوا جب دھماکہ ہوا - گولی چلی اور گولی انسپکٹر شاہ کے سینے کو چیرتی ہوئی نکل گئی - دوسری گولی جبار کی کھوپڑی اڑا گئی اور خان زادی نے ریوالور نیچے پھینک دیا - شاید اب اس کو ریوالور کی ضرورت نہیں رہی تھی - یہ سب کچھ آناً فاناً ہوا تھا جیسے آسمان پر بجلی چمکی ہو - جیسے برق کوندی ہو - یا پھر جیسے ہوا کا ایک تیر نکل کر گزر جائے ۔

کسی کے پاس سوچنے سمجھنے کی سکت نہیں تھی اور جب ہوش آیا تو ملازمین نے اپنی رائفلیں اٹھائیں اور ان کا رخ خان زادی کی طرف کر دیا ٹھہرو - خبردار کوئی گولی نہ چلائے - اچانک ایک اے - ایس - آئی

ہانپتا ہوا آگے بڑھا اور مزید بولا ۔

انہیں پھینک دو - اور منہ دوسری طرف کر لو یہاں ایک ماں اور دو جوان بیٹیاں بے لباس موجود ہیں - خبردار جو کسی نے غلط حرکت کی - اتنا کہہ کر وہ تیزی سے انسپکٹر شاہ کے آفس میں گیا پھر اس نے ایس - پی ہیڈ کوارٹر نمبر ملائے - کچھ کہہ کر باہر آ گیا اور گرجدار آواز میں بولا ۔

خبردار کسی نے حرکت کی - ایس پی صاحب تشریف لا رہے ہیں اتنا کہہ اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ۔

میری بیٹیو لباس پہن لو - میں اس کیس کا انچارج ہوں - ایس - پی صاحب تشریف لا رہے ہیں - تم لوگوں کو انصاف ملیگا اور میں رب العزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی قسم کھا کر تم نے دو خون کئے ہیں وہی کچھ کاغذات پر ہوگا جو حقیقت ہے اور اگر ایسا نہ ہوا تو اس ملازمت کو میں چھوڑ دوں گا ۔

اور پھر وہی ہوا جو اس نے کہا - انسانی لاشیں پیراہن میں آ گئی آدمیت کا دامن جو تار تار ہوا تھا سی دیا گیا - اور وہ سب صحن میں بیٹھ گئے تھے زمین پر - ایک عجیب سناٹا تھا - ملازم ادھر ادھر بھاگے پھر رہے تھے اور اس افراتفری میں پون گھنٹہ بیت گیا - جبار اور انسپکٹر شاہ کی لاشیں وہاں پڑی ہوئی تھیں - اُن سے پرے برگد کے درخت تلے دو چارپائیاں رکھی ہوئی تھیں جن پر شمو اور ساجد کی لاشیں تھیں ۔

ایک جیپ تھانے میں داخل ہوئی اس میں سے تین جوان باہر نکلے اور چوتھا چالیس پینتالیس سال کا انسان تھا - جو ایس - پی کی وردی میں تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پورا عملہ پرفلیشن میں آگیا تھا۔ سلوٹوں کی آواز اُبھر رہی تھی۔ اچانک اے ایس آئی احسان الحق آگے بڑھا اس نے سیلوٹ کیا اور بولا۔

جناب عالی میں نے ہیڈ کوارٹر فون کیا تھا آپ آفس میں تشریف لایئے اور ایس پی کچھ دیر زندہ لاشوں اور بے جان لاشوں کو گھورتے ہوئے انسکٹر شاہ کے آفس میں تشریف لے گیا۔ اندر کیا ہو رہا تھا کسی کو کچھ معلوم نہ تھا۔

ایس پی اور احسان الحق اندر موجود تھے اور چالیس منٹ تک اندر موجود رہے جب ایس پی باہر نکلا تو اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے کیپ اتاری تھی اور دونوں کو سلام کیا تھا۔ اور جب بولا اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

احسان الحق میری بیٹیو کو آفس میں لے آؤ۔ اور باقی افراد کو عزت سے بٹھاؤ

"یس سر" دونوں بہنوں نے ایک دوسری کی طرف دیکھا اور بڑی سنگین خاموشی سے اٹھ کر آفس میں داخل ہو گئیں۔ دونوں نے بچے گود میں اٹھائے ہوئے تھے۔

ان بچوں کو باہر ان کے وارثوں کو دے دو۔ ایس پی اپنے ساتھ آئے ہوئے جوانوں سے بولا۔ پھر اس نے دونوں بہنوں کی طرف دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ادھر کرسیوں پر بیٹھ جاؤ میری بیٹیو۔

اور اس وقت دونوں پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔ شاید رونے کی وجہ پولیس اسٹیشن پر دی جانے والی عزت اور میری بیٹیو بنا تھا۔

رو لو۔ اگر کچھ آنسو ابھی باقی ہیں تو انہیں کھل کر بہا دو۔ تمہارے ساتھ

انصاف ہوگا۔ ایسا انصاف جس کا تم تصور رکھتی ہو۔ یقین رکھتی تھیں۔ مجھے افسوس ہے کہ اس محکمے میں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی کالی بھیڑیں گھس آئی ہیں جنہوں نے انسان کے خوبصورت ذہن کو قدغن لگائی ہے۔ اس پیشے کا تقدس داغدار کیا ہے اور ان کا انجام دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بھیانک ہوتا ہے۔ مجھے اس پولیس اسٹیشن کے ایک اے۔ ایس آئی احسان الحق نے بہت کچھ بتایا ہے لیکن اس کے باوجود میں تم دونوں کے منہ سے ایک بار پھر وہی داستان سننا چاہتا ہوں۔ جو تم نے اس پولیس اسٹیشن کے انچارج کو سنائی تھی۔ اور اس یقین کے ساتھ سناؤ کہ تم لوگوں کا ایک ایک لفظ ریکارڈ ہوگا اور انصاف کے لئے عدلیہ میں پیش کیا جائیگا اور تمہیں عدالت عالیہ میں پیش کیا جائیگا۔ اور تمہیں وہی انصاف ملیگا جس انصاف کی تم توقع کرتی تھیں۔ اور تم دونوں نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ شمیم نامی عورت اور امید نامی مرد کو تم دونوں نے کس طرح قتل کیسے کیا۔ کیونکہ میں سامنے رکھے ہوئے تمہارے کیس کے کاغذات دیکھ چکا ہوں۔ اتنا کہہ کر ایس پی پھر اپنے سامنے رکھے ہوئے کاغذات پر جھک گیا۔ اور تب خان زادی بولی۔

آفیسر اس دنیا میں غربت سب سے بڑی لعنت ہے غریب ہونا سب سے بڑا عذاب ہے۔ کیونکہ ہمارے معاشرے میں بھیڑیوں کے غول رغوا پھرتے ہیں۔ ہر کمزور پڑنے والی شئے کو چیر پھاڑ ڈالتے ہیں۔

اُن نامراد کرایہ داروں نے ہمیں اغوا کیا اور وہیں سے ہماری بدنصیبی شروع ہوتی ہے۔ پھر اس قدر بے آبرو ہوئیں کہ بتاتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بس آفیسر یوں سمجھ لو کہ ہم بکتی رہیں ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ اور اتنے ہاتھوں میں گئیں کہ اپنی شناخت بھی بھول گئیں اور شکہ ہمیں ناکارہ سمجھ لیا گیا۔ کیونکہ ہمارے اندر سے خریدنے والوں نے جوانی کا تمام رس نچوڑ لیا تھا۔

اور ایک دن ہم وہیں آگئیں جہاں سے پہلی دفعہ بے آبرو ہوئیں تھیں۔ بس یہ اتفاق تھا کہ ہم بیس بائیس ہاتھوں سے ہوتی ہوئیں اپنے کرایہ داروں کے ہاتھ بک گئیں۔ انہوں نے ہمیں مشورہ دیا کہ گھر واپس لوٹ جائیں۔ اب دو انسانوں کی اس منڈی میں بک نہ سکیں گی۔ کیونکہ ہم دونوں ایک ایک بچے کی ماں بن چکی تھیں۔ دراصل وہ لوگ ہمارا امتحان لے رہے تھے اور ہم اس امتحان میں یوں کامیاب ہوگئیں کہ ہم نے واپس جانے کا ارادہ ترک کر دیا بمکمل انکار کیا کہ اب ہم کون سا منہ لے کر واپس جائیں۔ اور تم دونوں ہمیں نہیں رکھنا چاہتے تو کسی ایسے انسان کے ہاتھ بیچ دو جو ہم کو دو وقت کی روٹی دے سکے۔ کیونکہ ہم اس قابل نہیں رہ گئیں کہ اپنے گھر کو لوٹ سکیں اور آفیسر وہ دونوں ہمارے مسلسل انکار سے دھوکہ کھا گئے۔ دونوں نے ہم پر اعتماد کرنا شروع کر دیا۔ اور جس دن ہم نے دونوں کو قتل کیا وہ بے تحاشہ شراب پیئے ہوئے تھے۔ وہ کسی معصوم لڑکی کو اغوا کر لائے تھے اور اسے اپنی درندگی کا شکار کرنا چاہتے تھے کہ ہم نے ڈنڈے مار مار کر دونوں کو جان سے مار دیا۔

وہ معصوم لڑکی میٹرک میں پڑھتی تھی سکول سے واپس گھر جاتے ہوئے اغوا ہوئی تھی اور اسی علاقے کی تھی جانتی تھی کہ اسے کہاں جانا ہے۔ ہم نے

اسے خاموشی سے نکال دیا۔ اور کہا کہ جاؤ کہہ دینا کہ تم اپنی کسی سہیلی کے ہاں چلی گئی تھی۔ اور اپنی زبان بند کر لینا۔ ورنہ پولیس والے تمہیں بھی ہماری طرح بے آبرو کریں گے۔ یوں ان دونوں خبیث درندوں کو ہم مارنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور ہمارا یہی مقصد تھا۔ اور آفیسر ہمیں گرفتار نہیں کیا گیا۔ برآمد نہیں کیا گیا۔ ہم خود پولیس اسٹیشن آئی تھیں۔ یقین مریئے وہ انسپکٹر کچھ ایسا کیس تیار کرنا چاہتا تھا جس سے ظاہر ہو کہ ہمیں برآمد کیا گیا ہے۔

وہ کسو وال تھانے کے انچارج کو بچانا چاہتا تھا۔ وہ کیس اپنی مرضی سے تیار کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے خدا نے اسے بھی جہنم رسید کر دیا۔ بس آفیسر یہی ہماری داستان ہے یا جو کچھ تھا آپ بتا چکی ہیں۔

اچانک ایس پی اٹھا۔ اس نے بڑی شفقت سے ان کے سروں پر ہاتھ رکھا اور بولا۔

اے ایس۔ آئی احمد ان پر مکمل اعتماد رکھو۔ اسے اس یقین کے ساتھ اپنے پونے دو سال کی روئداد ریکارڈ کرا دو۔ اور ہر اس انسان کے بارے میں نشاندہی کر دو جو تمہارے خریدار بنے تھے میں کسی کو بھی معاف نہیں کروں گا۔

اس کیس کو دوسرے کے لئے عبرت ناک کیس بنا دوں گا کہ پھر شاید ہمارے محکمے میں اس قسم کی بد دیانتی نہ ہو سکے۔ ہم ان سب بھیڑیوں کو تلاش کریں گے جو انسان کی کھال میں موجود ہیں۔

میں تم دونوں کی عزت آبرو واپس تو نہیں لوٹا سکتا۔ لیکن تمہاری تو حوصلہ مندی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور جرأت پر تم دونوں کو سلام ضرور پیش کرسکتا ہوں۔ میں اس کیس کو ضرور ہینڈل کروں گا اور تمہیں قانون سے انصاف ضرور دلاؤں گا۔ اتنا کہہ کر ایس پی نے احسان الحق کی طرف دیکھا اور بولا۔ کسی محکمہ کی بات کو بھی نظر انداز مت کرنا۔ ان کے ساتھ حوالات میں اچھا سلوک ہونا چاہیئے اور صبح عدالت میں کیس جانا چاہیئے۔ اب یہ تمہاری ذمہ داری۔ وہ اتنا کہہ کر آفس سے باہر آیا۔ باہر صحن میں اکبر خان، سکینہ بی بی کرسیوں پر بیٹھے تھے انہیں باعزت طریقے سے کرسیاں پیش کی گئی تھیں۔

ایس پی ان کے قریب پہنچا اور بولا۔ یہاں جو کچھ آپ لوگوں کے ساتھ پیش آیا میں اس کی آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ میرے پاس ان چند الفاظ کے علاوہ مزید کچھ نہیں۔ البتہ یہ ضرور ہوگا کہ تم لوگ دوران کیس ہر وقت اپنی بیٹیوں سے مل سکتے ہو۔ تم لوگوں کو عزت دی جائے گی اور یہ بھی یقین کرلو کہ لوگوں کو پورا پورا انصاف ملے گا۔ انشاء اللہ۔ اتنا کہہ کر ایس پی چیمبر میں بیٹھا اور چیمبر واپس لوٹ گئی۔ اور اپنے پیچھے اس قدر سناٹا چھوڑ گئی کہ وہاں موجود انسانوں کے دل لرز رہے کیونکہ وہاں چار لاشیں موجود تھیں اور ان کو قتل کرنے والی دونوں لڑکیاں بھی موجود تھیں۔

اور پھر دو ماہ تک کیس چلا۔ اور اس انداز سے چلا کہ اخبارات نے ایک اُدھم برپا کر دیا۔ ہر اخبار والے نے اس کیس کے سپیشل ایڈیشن چھاپے تھے۔ ان کی پوری روئیداد اخبارات میں آئی تھی۔ ان کی تقریریں چھپی تھیں اور ایسے ایسے بڑے لوگ منظر عام پر آئے تھے کہ پورے ملک کی مشینری حرکت میں آگئی تھی۔ پورے ملک کی ہمدردیاں ان دو مظلوم بہنوں کے ساتھ تھیں پولیس کے خلاف مظاہرے ہوئے۔ شہر شہر ہڑتالیں ہوئیں۔ عدالت عالیہ سے انصاف کے لئے اپیلیں کی گئیں پورے دو ماہ اخبارات نے ایک شور مچائے رکھا۔ اور پھر دونوں بہنیں باعزت بری ہوگئیں۔ عدالت نے واقعی ان کے ساتھ انصاف کیا تھا۔ قانون نے انہیں مایوس نہیں کیا تھا۔ سب کچھ ہوا۔ لیکن انہیں قبول کرنے والا کوئی جوان آگے نہیں بڑھا تھا۔ ایک بوڑھی ماں اور ایک بوڑھا باپ دروازے پر ہونے والی کسی اجنبی دستک سننے کے منتظر تھے۔ دو بہنیں کنواری مائیں تھیں۔ ان کی گودیں بھری ہوئیں تھیں۔ وہ ایک ایک بچے کی ماں تھیں۔ اور جن راہوں سے وہ گذر آئیں تھیں۔ ان کا تصور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتے ہوئے کوئی بھی شریف گھرانہ انہیں قبول نہیں کر رہا تھا۔

ان کا قصور کیا تھا؟

انہوں نے کون سا جرم کیا تھا۔

صرف یہی کہ انہوں نے دلیری سے چار خون کر ڈالے تھے۔ لیکن عدالت نے تو انہیں بری کر دیا تھا۔

کیا لوگ ان سے خوفزدہ تھے۔

یا پھر؟۔

وہ داغ جو اپنے وجود پر ڈال چکی تھیں۔ ان کے لئے بدنصیبی بن گئے تھے آخر دنیا والے اُن داغوں کو کیوں نہیں دیکھتے جو وہ اپنی روحوں پر لگا چکی تھیں۔ انہیں کون دیکھتا۔ انہیں کوئی دیکھنے کی زحمت گوارہ نہیں کرتا تھا اس ماں سے کوئی پوچھتا آکر کہ تیرے دل میں کیسے سوراخ ہوئے ہیں کتنے چھید پڑے ہیں۔ اُن راتوں کو کوئی آکر دیکھتا جن میں ان کی کمزور ناتواں لاشیں ہر دم کانپتی رہتی تھیں۔

بوڑھے وجود لرزا براندام رہتے تھے۔ ہر روز جی رہے تھے اور ہر روز مر رہے تھے۔ دو جوان بیٹیاں گھر میں یوں پھرتیں جیسے قبریں دفن ہوں ان کے چہرے پر کبھی مسکراہٹ نہیں اُبھرتی تھی۔ ان کے ہونٹوں کے کونوں پر کبھی مسکراہٹ کی کوئی کرن نہیں پھوٹتی تھی۔

وہ مسکرانا بھول گئی تھیں۔

دنیا والوں نے ان کی مسکراہٹیں چھین لی تھیں۔

ان کی زندگیوں میں۔ ان کے وجود میں۔ اور ان کی روح کے اندر زہر بھر دیا تھا۔

ان زندہ لاشوں کو کون اپناتا۔

یہ کیسا انصاف تھا۔ جو قانون نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ اور انہیں پھانسی دینے کی بجائے انہیں دفنانے کی بجائے زندہ دفنا دیا تھا۔ وہ دونوں اپنے گھر کی چار دیواری کے اندر زندہ دفن تھیں۔

کاش کوئی آتا۔ کوئی نوجوان ان کے دروازے پر دستک دیتا اور کہتا قوم کی آبرو کو۔ وطن کی عزت کو میں اپنے دامن میں بھرنے کے لئے آیا ہوں۔

لیکن کوئی نہیں آرہا تھا۔ بوڑھی آنکھیں دروازے پر لگی رہتی تھیں۔ بس وہ کسی اجنبی کی آہٹوں کی بازگشت سننا چاہتی تھیں۔ وہ انتظار میں دن بدن کمزور سے کمزور ہوتے جا رہے تھے۔ اور شاید کمزور ہوتے ہوتے اپنے وجود کو خالی کر دیں۔ بکھر جائیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیاسیب

ہر اُس گھر کی کہانی
جہاں خواہشات
کی چتا جلتی ہے!

عجیب عورت تھی۔ ہزاروں رنگ اس کے گرد پھیلے ہوئے تھے۔ لیکن کسی رنگ میں وفا نام کی کسی شے کا وجود تک نہیں تھا۔ بڑی بڑی غزالی آنکھیں ـــ سانولے دلفریب تیکھے نقوش ـــ سم کا ہر اعضا ـــ خمدار ـــ اور ہر خم میں جیسے شہد اور پھولوں کے رس کی آمیزش ہو ـــ جیسے چھونے، محسوس کرنے اور چکھنے کو دل مچل اٹھے ـــ اور اگر اسے نظر انداز کرنے کی انسان کوشش کرے تو کافر ہونے کا خطرہ لاحق ـــ!

جاوید نے اپنے دل میں ٹھیسیں سی اٹھتی محسوس کیں۔ ایکبار دیکھا ـــ دوسری بار دیکھنے کی آرزو نے اس سے صبر و قرار لوٹ لیا ـــ پلازہ میں فلم آئینہ دیکھنے گیا تھا ـــ سات بج رہے تھے۔ اور وہ دُور کھڑی تنہا ـــ کسی جگنو کی مانند ـــ ضیاء پاشی کر رہی تھی ـــ چمک رہی تھی ـــ اور پورے جلوؤں کے ساتھ دھمک رہی تھی ـــ بڑی لاپرواہ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

— اور بے احساس کھڑی تھی — جیسے کسی کی منتظر تو ہو۔ لیکن اگر وہ نہ بھی آتا تو اسے پرواہ نہ ہوتی — بالکل سرسری انداز میں اس نے نازک سی کالی پر چمکتے ڈائل پر تھرکنے والی سوئیوں کو دیکھا — جیسے وقت کے بیت جانے کا احساس کرنا چاہتی ہو —

جاوید غیر ارادی طور پر اس کی طرف کھنچا چلا گیا — اور قریب پہنچ کر بولا۔

"شاید آپ کو کسی کا انتظار ہے؟"

وہ بے ساختہ چونکی — نگاہیں بھر کر اس نے جاوید کی طرف دیکھا ہونٹوں کے خم میں مسکراہٹ کی کرن پھوٹی — رخسار کے خم نے انگڑائی لی — گردن کے خم سے جیسے قلقل کی آواز ابھر پڑی ہو — اور کرکے خم نے جیسے بل کھایا ہو — شاید اس نے دونوں پاؤں کا وزن ایک پاؤں پر ڈال کر کھڑے ہونے کی کوشش کی تھی۔

"کون کسی کا انتظار کرتا ہے مسٹر —" بڑا چبھتا ہوا جملہ تھا۔ جو بڑے سرسری انداز سے کہا گیا تھا — جیسے جاوید کا اسے یوں مخاطب کرنا کوئی خاص بات نہ ہو — لیکن جملے کے گھبیرپن کو محسوس کرتے ہوئے جاوید نے اپنے دل پر ہولے سے دستک کی آواز سنی — جیسے کسی نے چپکے سے، بڑی خاموشی سے ساز کے کسی تار پر انگلی رکھ دی ہو۔

"میرا نام جاوید ہے" وہ خشک ہو جانے والے ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔

"پھر —" پھر میں گو دلآویز مسکراہٹ تھی لیکن اس مسکراہٹ میں زہر کی آمیزش نمایاں تھی۔

جاوید نے کچھ کہنا چاہا ہی تھا کہ وہ آگے بڑھ گئی۔ اور جاوید اس کے بدن سے پھوٹنے والی خوشبو چنتا رہ گیا — بلوز اور ساڑھی کے درمیانی فاصلے میں کمر کا بل بڑا جان لیوا تھا — جاوید کی نگاہیں اس وقت لوٹیں تھیں جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی —

اف — کیا قیامت تھی — کون تھی یہ —؟ کیا کر رہی تھی یہاں؟ کیا کسی کا انتظار تھا اسے — کسقدر تلخ جملہ کہا تھا اس نے — کہ — کون کسی کا انتظار کرتا ہے۔ یہ الفاظ کسقدر حقیقت کے قریب تھے۔ ایک سچ کو زہریلے انداز میں کہہ گئی تھی — رات کروٹیں بدلتے گزر گئی۔ کیونکہ وہ ہر دم اس کی پلکوں پہ سایہ فگن تھی — اور وہ رات بھر اس سے باتیں کرتا رہا تھا — صبح ہوئی، شام ہوئی — پھر تیسری رات — وہ بلبلا اٹھا —

کہاں ہو تم — جیسے دل نے اسے صدا دی ہو — لیکن ذہن کہہ رہا تھا کہ مت دستک دینا — کوئی نہیں آئے گا —

یہ انسان بھی بڑی عجیب شے ہے۔ پھر اس شے کے پیچھے بھاگتا ہے جو اس کی دسترس سے باہر ہوتی ہے — جب پا لیتا ہے تو اس کی اہمیت کھو دیتا ہے۔ شاید یہی انسانی جبلت ہے۔ جس کے وہ تابع ہے — یہی جبلت اسے قناعت پر مجبور نہیں کرتی — وہ فطرت کی تنوع پسندی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور جولانی کو لئے بھٹکتا رہتا ہے۔

شاید وہ ہفتے کی رات تھی ۔ کہ ۔ اُسے وہ پھر نظر آگئی۔ وہ آج بھی تھی ۔ انارکلی شاپنگ سنٹر سے نکلی تھی ۔ جاوید کو یُوں معلوم ہوا ۔ جیسے کی اندھیری رات میں چاند نے طلوع ہو کر روشنی کر دی ہو ۔ اس کے ہاتھ میں ایک پیکٹ پکڑا ہوا تھا ۔ اور رکشے کی انتظار میں اس نے ادھر اُدھر نگاہیں دوڑا رہی تھیں۔ جاوید بڑی تیزی سے قریب پہنچا تھا ۔

"میری گاڑی حاضر ہے ۔"

وہ بیساختہ چونکی ۔ بھرپور نگاہوں سے اس نے جاوید کا جائزہ لیا۔ پھر نجانے کیوں مسکرا پڑی ۔ اور جاوید کو یوں محسوس ہوا جیسے ہر سو قندیلیں روشن ہو گئیں ہوں۔ اس کی نس نس میں بے شمار خوشبوئیں پھیل گئی ہوں۔ جیسے وجود کا ذرہ ذرہ منور ہو گیا ہو۔

"آپ کا نام جاوید ہے نا ۔" وہ یوں بولی جیسے اپنی یادداشت پر زور ڈالنا پڑا ہو ۔

"خدا کا شکر ہے کہ آپ کو میرا نام یاد رہ گیا ۔" جاوید پورے وجود کے ساتھ مسکرایا۔

"آپ بھی یاد تھے ۔" وہ یوں کھل کھلا کر ہنس پڑی جیسے جاوید کو باور کرانا چاہتی ہو کہ ۔ تم بھول جانے والی شے نہیں تھے ۔ اور جاوید ۔ جیسے سات آسمانوں کو چھو گیا ہو ۔ اس کے ہونٹوں کی جنبش نے اسے یوں باور کرایا جیسے دو سیب نیم وا ہوئے ہوں ۔ دو قاشیں گردش میں آئی ہوں۔

۔ کنول کا پھول پُھٹ گیا ہو ۔ ہاں ۔ وہ ہونٹ کچھ ایسے ہی تھے جاوید لریشن کر کر ۔ آپ بھی یاد تھے ۔ یہ الفاظ نشے میں غوطے دیے گئے ہوں۔ یسے وہ شراب کے ڈرم میں جا پڑا ہو۔

"شش ۔ شکریہ ۔ تشریف لائیے۔ گاڑی ادھر کھڑی ہے ۔"

وہ خراماں خراماں چل دی ۔ اُس کے پاؤں میں نبض کائنات لپٹی ہوئی تھی۔ ہ آج بھی سرسئی رنگ کی ساڑھی میں ملبوس تھی۔ انارکلی کی جگ مگ جگ مگ شنیوں نے اس کے وجود کے ہر اعضا پر قوس قزاح کے لہریے بُن دیے تھے اور شنیوں کے وہ ہزاروں رنگ اس کے وجود کو چھو رہے تھے چوم رہے تھے اور وہ رقص کناں اس سمت بڑھی جا رہی تھی جس طرف جاوید نے اپنی گاڑی کھڑی ہونے کی ے نشاندہی کی تھی۔

"یہی گاڑی ہے شاید ۔" وہ ایک سرخ رنگ کی ٹیوٹا کے پاس تھم سی گئی۔

"جی ہاں تشریف رکھیے ۔ وہ دروازہ کھولتے ہوئے سراپا خلوص تھا ۔ اپنی قسمت پر جسقدر ناز کرتا کم تھا ۔ زندگی میں اسے بڑی حسین سے حسین عورتیں ملی تھیں۔ وہ سینکڑوں رنگوں سے کھیلا تھا ۔ لیکن صرف وقتی طور پر۔ جیسے ہی اس نے کسی رنگ کو چھوا ۔ چکھا ۔ وہ پھیکا پڑ گیا۔ اور جاوید ایک بھنورے کی مانند اڑ گیا ۔ پھر نئی راہ ہوتی۔ کوئی نئی منزل ہوتی ۔ وہ ایک شکاری تھا۔ شکار کھیلنا ہی اس کی زندگی تھی۔ وہ زندگی کے اس حسین موڑ کے بارے کبھی سنجیدہ نہیں ہوا تھا ۔ وہ روز اول کی طرح آج بھی پیاسا تھا ۔ اس کا اپنا ایک فلسفہ تھا۔ کہ عورت ایک پھول ہے ۔ جب تک خوشبو ہے۔ اسے چنتے رہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جس قدر رس ملے پیتے رہو۔ جب خالی ہو جائے، چھوڑ دو۔ پھر کسی دوسرے پھول کو تاڑو۔ اگر آسانی سے مل جائے، حاصل کر لو۔ ۔۔۔ اس کے پیچھے نہ بھاگو۔ کہ وقت برباد ہو۔ اس کے نزدیک وقت قیمتی تھا۔ صرف وقت کی اہمیت تھی۔ پیسے والا تھا۔ ایک سے ایک حسین جسم خرید سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ عورت جو ایک پھول کی مانند کھلتی ہے۔ اس کے وجود کی تمام رعنائی۔ اس کا شباب اس کی فرحت۔ اور تمام کا تمام رس، صرف کسی نہ کسی مرد کی آغوش میں فنا ہو جانے کے لئے قدرت نے اسے بخشا ہوتا ہے۔ اور دیکھا جائے تو بذات خود عورت کے پاس اپنا کچھ نہیں۔ بڑا عجیب فلسفہ تھا جو اس نے ایجاد کر رکھا تھا۔

لیکن یہاں معاملہ کچھ دوسرا آ پڑا تھا۔ وہ ایکدم سنجیدہ ہو گیا تھا۔ حالانکہ اس معاملے میں سنجیدگی اس کی موت تھی۔ لیکن کیا کرتا۔ وقت نے کبھی کسی کا ساتھ نہیں دیا۔ شکار کرتے کرتے خود شکار ہوا تھا اور موت کے دروازے پر خود دستک دے بیٹھا تھا

اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ کھولا۔ اور وہ یوں اندر بیٹھ گئی جیسے اس کی اپنی گاڑی ہو۔ جیسے گاڑی اور گاڑی والا اس کے لئے اجنبی نہ ہو۔

"سمن آباد۔" وہ یوں بولی جیسے ٹوئیٹا نہ رہی ہو۔ ٹیکسی رہی ہو۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو کسی قریبی ہوٹل تک چلیں۔" جاوید اپنے خشک اور مردہ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔

وہ اس کے برابر بیٹھی ہوئی تھی۔ نگاہوں کا زاویہ بدل کر اس نے جاوید کی جانب دیکھا۔ شوخ آنکھوں میں استفسار کی لہریں تھیں۔ جیسے کہہ رہی ہو۔

ہوٹل میں کیا رکھا ہے۔ دیکھنا ہے تو مجھے دیکھو۔ مجھے محسوس کرو۔ مجھے چھو کر دیکھو۔

جاوید ہڑبڑا گیا۔ اس نے گیر بدلا۔ گاڑی نکالی اور نکلتا چلا گیا۔ لوہاری کے چوک سے اس نے گاڑی کو الٹے ہاتھ کاٹا تھا۔ بات کرنے کی سکت کھو بیٹھا تھا۔ اپنی اس خواہش کو بھول گیا جس کا اس نے اظہار کیا تھا۔ کہاں کا ہوٹل اور کہاں کی چائے۔ وہ اب بھی اس شعلہ جوالہ۔ شعلہ خو۔ شعلہ رو کی نگاہوں کی چبھن اپنے چہرے پر محسوس کر رہا تھا۔ گو اس کی اپنی نظریں ونڈ اسکرین کے اس پار تارکول کی سیاہ سڑک پر مرکوز تھیں۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ اسے دیکھ رہی ہے۔ تیس کے پیٹے میں تھی۔ نجانے اب تک کہاں تھی جو اسے نظر نہیں آ سکی تھی۔

"مسٹر جاوید۔" اچانک وہ اپنی نقرئی آواز میں مخاطب کر بیٹھی۔ جاوید کو یوں محسوس ہوا جیسے چاروں طرف جلترنگ سے بج اٹھے ہوں۔

"ج۔ جی۔" وہ ہڑبڑا کر بولا۔

"میں اس دن آئینہ نہیں دیکھ سکی تھی۔ میری ایک دوست وہاں آنے والی تھی جو وقت پر نہیں آ سکی تھی۔ لہٰذا۔ کل تین اور سوا تین بجے کے درمیان پلازہ پر میرا انتظار کرنا۔ میں آؤں گی۔"

"میں انتظار کروں گا۔" وہ یوں بولا۔ جیسے مشین ہو۔ معمول ہو۔

"بس اب اسی چوک میں اتار دیجئے۔"

اور جاوید نے گاڑی روک دی۔ وہ اتری اور ایک رکشے کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برستی چلی گئی ــــ جاوید اس کے نظروں سے اوجھل ہونے تک اس راستے کو تکتا رہا۔

ویرانے میں بہار آئی ہو۔ اور پھر چپکے سے چلی گئی ہو۔ اس کی گاڑی اس کے بدن کی خوشبو سے معطر معطر تھی ــ چند لمحوں بعد سر جھٹکا اور آگے بڑھ گیا۔

عجیب عورت تھی ــ جو اس کے ذہن ہی میں نہیں پورے دل کے دریچے روشن کرتے ہوئے سوالیہ نشان چھوڑ گئی تھی ــ

وہ آنے کا وعدہ کر گئی تھی ــ آخر کیوں ــ ؟ کیا وہ میری نظروں کو پہچان گئی تھی۔

کیا اسے میری آنکھوں میں طلب کا احساس ہو گیا تھا؟

کیا وہ جان گئی تھی کہ میں اس سے کیا چاہتا ہوں ــ ؟

تین سوالیہ نشان اس کے سامنے سیاہ دھبے بن کر ناچ رہے تھے اور ان دھبوں میں وہ خود رقص کناں تھی ــ جیسے وہ روشنی کی کوئی سنہری پہلی کرن ہو جو ان میں چھید پیدا کرتی نکلتی چلی گئی ہو ــ

کیا وہ آئے گی ــ ؟ یہ ایک اہم سوال تھا ــ کیونکہ جاوید کو یہ بھی احساس تھا کہ کہیں اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے اس نے ایسا کہہ دیا ہو ــ کیونکہ سر بازار اس کے سر ہو گیا تھا ــ

وہ سوچتا رہا ــ اور آہستہ آہستہ گاڑی ڈرائیو کرتا رہا ــ آنے والی کل کے درمیان پوری رات حائل تھی ــ اور پھر پورا دن ــ یہ کیسے کٹے گی۔

وہ رات بھر بستر پر کروٹیں بدلتا رہا ــ اسے کسی کروٹ چین نہیں تھا۔ وہ پوری زندگی میں کبھی اسقدر سنجیدہ نہیں ہوا تھا۔ وہ تو شکاری تھا ــ شکار کھیلنا ــ اس کی فطرت تھی۔ اور اس کے باوجود وہ اس معاشرے کا ایک شریف شہری تھا ــ لوگ اس کی عزت کرتے تھے۔ اس کی تعظیم کرتے تھے۔ وہ کسی ضرورت مند کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا تھا ــ ماحول میں وہ اسقدر ہر دلعزیز تھا کہ اس کے جاننے والے اس کے لئے بڑی سے بڑی قسمیں کھا کر کہہ سکتے تھے ــ کہ زمین پر یہ انسان ایک فرشتہ ہے ــ

کیوں نہ کہتے ــ آخر فرشتہ اصول پرست تھا۔ محتاط اور چوبیس گھنٹے چوکس رہتا تھا۔ گو کہ دولت کی فراوانی تھی لیکن اس کے استعمال سے واقف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے اندر چھچھورہ پن پیدا نہیں ہوا تھا ــ

وہ پلازہ پر چپکے ہی پہنچ گیا تھا ــ بے قراری اسقدر بڑھ چکی تھی کہ ہر گزرنے والا منٹ اس کی پریشانی کا باعث بن رہا تھا ــ سگریٹ پھونکتے پھونکتے اس کا حلق خشک ہی نہ ہوا بلکہ اس میں زہر بھر گیا ــ وہ ساڑھے چھ بجے آئی تھی ــ ایک رکشا اس کے قریب آ رکا تھا ــ اور وہ اس میں سے اتری تھی۔

جاوید تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ اور بولا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ آپ آئیں گی"

وہ صرف مسکرا دی ــ اور جاوید کے وجود میں اس کی مسکراہٹ خوشبو بن کر اترتی چلی گئی۔ اس کا دل چاہا کہ ان ہونٹوں کو چھو کر دیکھے جن کی جنبش سے جلترنگ کا سماں بندھ جاتا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ دونوں گیلری میں جا بیٹھے ۔۔۔ جاوید مضطرب تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اُسے یہاں سے نکال کر کہیں اور لے جائے ۔۔۔ جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو ۔۔۔ فلم میں کیا رکھا تھا۔ وہ ان چیزوں کا شوقین نہیں تھا۔

وہ اس وقت اورنج کلر سوٹ میں مہک رہی تھی۔ اس کے گلابی گالوں پر اس رنگ کی چھوٹ اس طرح پڑ رہی تھی کہ ۔۔۔ معلوم ہوتا تھا جیسے دہکتے ہوئے انگاروں پر راکھ کی بہت خفیف سی پرت چڑھی ہوئی ہو۔ ہاں وہ ایسے ہی انگارے تھے۔ کہ بے اختیار جاوید کا دل اپنے ہونٹوں کو جلا دینے کو چاہ رہا تھا۔

اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھا ۔۔۔ اور اس شعلہ خو کے ہاتھ پر آ کر رک گیا۔ اس نے جاوید کو مسکراتی ہوئی نگاہوں سے دیکھا اور جاوید یکدم بول پڑا۔

"آئیے ۔۔۔ کہیں اور چلیں ۔۔۔ میرا یہاں دم گھٹ رہا ہے۔"

"کہاں ۔۔۔؟" وہ مجسم سوال بن گئی۔

"وہاں ۔۔۔ جہاں خوشبو ہے۔ رنگ ہیں۔ کیف ہے۔ بے خودی ہے سرشاری ہے۔ لذت ہے۔ ہاں وہاں جہاں دوریاں نہیں، فاصلے نہیں ۔۔۔ نفرتیں نہیں ۔۔۔ رکاوٹیں نہیں اور منافقتیں نہیں ۔۔۔"

وہ مسکرا دی ۔۔۔ اور اٹھ کھڑی ہوئی ۔۔۔ جیسے پوری کائنات گردش میں آ گئی ہو ۔۔۔

وہ کچھ دیر بعد اسے گاڑی میں بٹھائے اپنے عشرت کدے میں لئے جا رہا تھا۔ اس عشرت کدے کی طرف ۔۔۔ جہاں نجانے کتنے پھول پتی پتی ہو کر بکھرے تھے۔ کتنی کلیوں نے چٹخ کر اسے آسودگی سے ہمکنار کیا تھا ۔۔۔

"کس نام سے آپ کو پکاروں ۔۔۔؟"

"شہناز ۔۔۔" وہ مسکرائی ۔۔۔ اور جاوید کے کانوں میں جیسے شہنائیوں کی مدھر لہریں اترتی چلی گئی ہوں۔

وہ اسے اپنے خوبصورت بنگلے میں لے آیا ۔۔۔ اور پھر اپنے ذاتی کمرے میں۔ اس کمرے کو اس نے بڑا پیسہ خرچ کر کے تیار کیا تھا ۔۔۔ فرش پر بچھے ہوئے قالین کے نیچے چار انچ موٹے فوم کی تہہ موجود تھی ۔۔۔ پاؤں رکھتے ہی انسان اندر دھنس جاتا تھا ۔۔۔ دیواروں پر خوبصورت اور قیمتی تصویریں آویزاں تھیں ۔۔۔ مسہری یا صوفے نام کی وہاں کوئی شے موجود نہیں تھی ۔۔۔ بس ایک ہال نما کمرہ تھا ۔۔۔ جہاں مشرقی دیوار کے ساتھ موٹے موٹے تکیے موجود تھے۔ نیلگوں روشنی جیسے دیواروں سے پھوٹ رہی تھی ۔۔۔ اے سی کی ٹھنڈک جسموں کو آسودگی بخش رہی تھی۔

"تشریف رکھیے ۔۔۔" وہ دل و جان سے بچھتا ہوا بولا ۔۔۔ اور شہناز بے خودی فرشی قالین پر بیٹھ گئی ۔۔۔ بیٹھ کیا گئی۔ نرم گداز فوم میں دھنس گئی۔ جاوید تیزی سے ایک دیوار کی طرف بڑھا۔ ایک خوبصورت پینٹنگ پر لگے ہوئے اور دکھائی نہ دینے والے بٹن کو دبا کر واپس آ گیا۔ اچانک وہاں سے موسیقی کی مدھر لہریں ابھریں اور ان لہروں کے دوش پر خوشبوئیں تیرتی ہوئی پورے کمرے میں پھیل رہی تھیں۔ شہناز نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا ۔۔۔ وہ متلاشی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ جاوید مسکرایا تھا ۔۔۔ شاید پہلی بار ۔۔۔ ورنہ وہ یوں احساسِ کمتری کا شکار ہوا تھا کہ اپنی قوت گویائی تک کھو بیٹھا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ موسیقی کی لہریں اور خوشبو کی پھوار کہاں سے آرہی ہے"؟

"کمرہ پسند آیا —" وہ اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

"بہت خوبصورت —" وہ تحسین آمیز نگاہوں سے جاوید کی طرف دیکھ کر بولی۔ پھر مزید بولی۔

"یہاں آپ کیا کرتے ہیں"؟ سوال بڑا غیر متوقع تھا جس سے جاوید کی پیشانی عرق آلود ہو گئی لیکن اس نے جلد ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ کیونکہ یہ تو بتانے سے رہا کہ — یہاں آپ جیسی حسین دوشیزاؤں کے جسم سے ان کا تمام رس چوستا ہوں۔

"اپنے اپنے شوق کی بات ہے۔ ویسے زندگی میں آپ پہلی عورت ہیں جو اس کمرے تک پہنچی ہیں۔ کیونکہ یہ میری خوابگاہ ہے۔ یہاں کسی ملازم کا بھی گزر نہیں۔ میں یہاں تنہا رہتا ہوں — آپ کو دیکھنے سے قبل تنہائی سے مجھے بہت پیار تھا — لیکن اب وہی تنہائی کاٹنے لگی ہے۔ زہر بن گئی ہے۔ اب شاید تنہا نہ رہ سکوں —" اتنا کہہ کر اس نے ہاتھ بڑھا کر دیوار پر سے ایک بٹن دبایا۔ نجانے کس جگہ الارم بولا تھا۔

"آپ کیا پینا پسند کریں گی"۔

"جو خود پیو —" وہ تکلف کی ہر دیوار توڑ گئی۔ شاید ضرورت سے زیادہ متاثر ہوئی تھی۔ ایسی خوابگاہ کا کبھی اس نے تصور تک نہیں کیا تھا۔ پرفیوم کی پھوار بند ہو چکی تھی۔ شاید کوئی آٹومیٹک سسٹم تھا — البتہ میوزک کی مدھر لہریں — کمرے کے ماحول پر ایک نشہ سا طاری کئے ہوئے تھیں۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی — وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو پرکھ رہے تھے، تول رہے تھے۔ جاوید جو ایک ہوشیار اور دور اندیش شکاری تھا۔ جس کے جال کا ہر تار بڑا مضبوط ہوا کرتا تھا — براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا — ان آنکھوں میں، جہاں سینکڑوں غزال کے دیوان مرتب ہو سکتے تھے۔ وہ ان آنکھوں میں ڈوبنا چاہتا تھا —

شکار — اس کے جال میں مقید پھڑ پھڑا رہا تھا — پھر اچانک اسے شہناز کی آنکھوں میں خود سپردگی کی چمک نظر آئی — اور غیر ارادی طور پر اس کا ہاتھ ان ہونٹوں تک جا پہنچا — ایک پنکھڑی کو اس نے انگلی کے پور سے چھوا تھا — شہناز کے ہونٹ نیم وا ہوئے — جیسے کسی پھول میں تبسم کی کرن تڑپی ہو — شہناز نے اپنا ہاتھ بڑھا کر خود اس کے گال پر انگلی پھیری تھی۔ اور جاوید — جیسے آسمان کی وسعتوں میں تیر اٹھا — اس کی انگلیوں کے لمس نے اس کے وجود کے تمام تاروں پر ایک ایسا نغمہ چھیڑ دیا تھا — جو اگر پہاڑ کے بطن میں اترتا تو آتش فشاں بن جاتا — اگر پودوں کی رگ رگ میں سماتا — تو سارے چمن کو مہکا دیتا۔ حالانکہ اسے یہ غلط فہمی ہرگز نہیں تھی کہ اس شعلہ خو کے بدن کا گھونگھٹ اٹھانا کوئی آسان کام ہوگا — اسے یقین تھا — کہ اس غرور پیشہ نازنین اس کے دجلہ اضطراب کی طغیانی کو محسوس کرتے ہی اپنی جفاؤں کے مضبوط ترین بندھ باندھنے کی کوشش کرے گی اور نجانے جبین ناز کو اس کی بے نیازیوں کی دیوار سے ٹکرا ٹکرا کر کتنے امتحان دینے ہوں گے —

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن یہاں کچھ معاملہ الٹ گیا تھا — جاوید کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ اس کے لئے پیدا ہوئی ہو — اس کا دلفریب جسم اس کے لئے تراشا گیا ہو — قدرت نے جسقدر رنگ اس میں بھرے تھے وہ سب میرے لئے تھے۔ کیونکہ — جاوید نے شہناز کی آنکھوں کی تپش کو پڑھا تھا — اس میں تڑپتے ہوئے رنگوں کو پہچانا تھا — کیونکہ وہ مجسم خود سپردگی کی علامت بنی اس کے وجود میں تیر رہی تھی — پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ — وہ انجان بنا رہتا — وہ تو خود (مجھے چھیڑو) کی تفسیر بنی ہوئی تھی۔ جاوید نے ہاتھوں کی آوارگی سے ابتدا کی — پھر — رنگوں سے رنگوں نے باتیں کیں۔ خوشبوئیں بغل گیر ہوئیں۔ جرس بہار کی صدا گونجی — اور نکہتوں کا کارواں روانہ ہوا — قدم — قدم گل و لالہ نے اگلی منزلوں کی نوید دی — اور نفس نفس فاصلے کم ہوتے گئے۔ مٹتے گئے — شراب میں شراب تحلیل ہوئی۔ اور نشہ بڑھتا چلا گیا — ایک ہلچل تھی — ایک قیامت تھی جو کرے کی فضا میں بپا تھی — فضا مہک رہی تھی — ماحول پر کیف، سرور، نشاط کے شرارے سے اڑ رہے تھے۔ جیسے وقت ٹھہر گیا ہو — زمین کی گردش تھم گئی ہو — فضا اور ماحول کو نیند آ گئی ہو — کیونکہ وہ دونوں تھم گئے تھے — نگاہوں ہی نگاہوں میں کچھ باتیں ہوئیں۔ جیسے زبانیں — قوت گویائی کا ساتھ دینے سے قاصر ہوں۔ پھر یہ وقت ایسا ہی تھا۔ جہاں زبان کو حرکت نہیں دیجاتی۔ صرف نگاہیں بولتی ہیں — شہناز نے اپنے شہد، دودھ اور پھولوں کے رس سے گوندھے ہوئے جسم کو سمیٹا — اور ملحقہ باتھ روم کی طرف بڑھ

گئی — پھر اچانک جاوید پر ایک عجیب انکشاف ہوا کہ — یہ عورت جسے وہ ایک پہیلی سمجھ رہا تھا — کوئی پہیلی تو نہ تھی — ایک ندی تھی۔ — ایسی ندی جو خشک سالی کا شکار ہو — ایسی ندی جو خود — پیاسی ہو — جس کی پیاس کی کوئی انتہا نہ ہو — بہتی — ہمکتی اور سرشار ندی۔ جس سے کوئی دوسرا تو پیاس بجھا سکتا تھا۔ لیکن خود ندی — پیاسی کی پیاسی۔ عجیب اضطراب تھا اس کے اندر۔ عجیب بے چینی کا شکار تھی وہ — جیسے کوئی آوارہ روح — جیسے کوئی بے چین نغمہ — جو لاہوت میں معلق ہو۔ کھو گیا ہو —

جاوید پریشان تھا — مضطرب تھا — اسے سمجھنے کی کوشش کرنا چاہتا تھا — وہ اس کے بھید پانا چاہتا تھا — شاید یہ عورت ادھوری تھی۔ کوئی انجانی خواہش اس کے جسم کے اندر ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہی تھی — وہ لاشعوری طور پر ایک ایسے ساتھی کی متلاشی ہے جو ان بکھرتی ہوئی خواہشوں کو جوڑ سکے — اس کے دھندلے خاکوں میں رنگ بھر سکے۔ سلگتے ہوئے اور بولتے ہوئے رنگ —

بڑا عجیب عورت سے اس کا واسطہ پڑا تھا۔ وہ اسقدر بدھو اور اناڑی نہیں تھا کہ اپنی خواہش کی تکمیل میں اندھا ہو کر اسے پہچاننے کی کوشش نہ کرتا۔ جاوید نے اس کے ناہموار سانسوں میں کسی ہجر کا نا آسودہ تلاطم محسوس کیا تھا اور ہونٹوں سے خطا ہو جانے والی سسکاری میں طلب و رسد کی پکار سنائی دی تھی — وصال سے قبل وہ جانتا تھا کہ یہ آزادی دعوت نظارہ ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اس سے متاثر ہو کر اس کی طرف نہیں بڑھی۔ گو اس نظارے میں پکار کی استعداد بدرجہ اتم موجود تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جاوید والہانہ انداز میں اس پکار پر لبیک کہتا ہوا ــــ اس پر یوں جا گرا۔ جیسے کوئی تشنہ دہن صحرا میں بھٹکتے بھٹکتے اچانک کسی ٹھنڈے چشمے کو دیکھ کر اس پر جا پڑا ہو ــــ

اسے اعتراف کرنا پڑا کہ اس کی زندگی کے افق پر کبھی کوئی ایسا مکھڑا نہیں جگمگایا تھا ــــ جسے دیکھ کر پور پور سنسنا اٹھے اور دل و دماغ پر ایک گھنا سا نشہ چھا جائے ــــ اسے شہناز کے چہرے پر پربت کا سویرا طلوع ہوتا نظر آیا تھا۔ اس کی جوانی زادھلکے لڑکپن کی تاریخ دہرا رہی تھی ــــ اس کا جوبن کچھ ایسی والہانہ بے قراری سے ہمک رہا تھا کہ بڑے سے بڑا زاہد بھی اپنی آغوش کے در کھولنے پر مجبور ہو جائے۔

جاوید پریشان تھا ــــ وصال حاصل کرنے کے باوجود جیسے تشنہ لب ہو ــــ جیسے ازل سے پیاسا ہو ــــ وہ اسے پھر سے پڑھنا چاہتا تھا ــــ اس کی بے قراریوں کو پھر سے محسوس کرنا چاہتا تھا۔ اس نے قریب رکھے ہوئے انٹرکام کا رسیور اٹھا کر اپنی خادمۂ خاص کو مخاطب کیا ــــ

"کیا کھانا تیار ہے ــــ ٹھیک ہے لے آؤ" اتنا کہہ کر اس نے انٹرکام کا رسیور رکھ دیا۔ شہناز کو باتھ روم والے کمرے میں گئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ وہ مزید انتظار نہ کر سکا ــــ خود بھی اٹھ کر اندر چلا گیا ــــ وہ پانی کے ٹب میں موجود جسم پر جھاگ اڑا رہی تھی۔ پوری پرفیوم کی شیشی شاید اس نے ٹب میں الٹ دی تھی ــــ

دونوں کی نگاہیں ٹکرائیں ــــ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے ــــ جیسے وہ بالکل اس کے لئے اجنبی رہا ہو ــــ

"پلیز باہر تشریف لے جائیے ــــ"

اور وہ شرمندہ ــــ شرمندہ سا باہر نکل آیا ــــ

یہ اس کا ایک نیا روپ تھا ــــ انجانا ــــ انجانا اور اجنبی سا ــــ

بقدر رفاقت اور وصال کے باوجود وہ اسے اجنبی لگی تھی۔

ملازمہ کھانا دے گئی۔ مختلف ڈشوں میں قیمتی اور بہترین کھانا موجود تھا۔

وہ باہر آئی ــــ جانے کے لئے بالکل تیار ــــ اس نے کھانے پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی ــــ اور بولی۔

"اس اہتمام کی کیا ضرورت تھی۔ میں ہر روز کھاتی ہوں"

"اور میں بھوکا رہتا ہوں ــــ" جاوید اس کے عجیب و غریب جملے پر ہونق ہو کر بولا۔

وہ پھر بولی ــــ

"تم ایک اچھے دوست ہو ــــ میں پھر آؤں گی ــــ اور تمہارے بارے نہایت سنجیدگی سے سوچوں گی"

"کیا سوچو گی ــــ" وہ آپ سے تم پر آ گیا۔

"یہی کہ ــــ تمہارا ساتھ کس حد تک نبھایا جا سکتا ہے" اتنا کہہ کر وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی ــــ اسے کھولا اور باہر نکل گئی۔

اور جاوید ــــ جیسے پتھر ہو گیا ہو ــــ اس کی بھوک مر گئی تھی ــــ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑی مشکل سے دو چار نوالے حلق سے نیچے اتر سکا تھا۔ پھر اس نے برتن اٹھوا دیا
لیکن چین کہاں — رات گیارہ بجے اس نے غسل کیا — اور پھر سونے کی کوشش
کی — لیکن بے سود — کروٹیں بدل بدل کر اس نے وقت کو دھوکہ دیا
ادھر رات اپنی نصف زندگی بتا چکی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نیند کی پگڈنڈیاں
ابھی تک سونی پڑی تھیں۔ وہ جو ریشمی جسموں سے کھیلنے والا تھا اور ریشم
معطر معطر خواب دیکھتے دیکھتے سونے کا عادی تھا۔ لیکن اب وہ خواب
راستہ بھٹک کر کہیں دور نکل گئے تھے۔ اس کا ذہن شہناز کے لئے تفکرات میں
الجھا ہوا تھا — ماضی کی رنگین راتیں۔ وہ کیف آور لمحات — اور ماضی
قریب کی بھینی بھینی یادیں بھی غیر یقینی حالات کی دھن میں چھپ کر رہ گئیں
تھیں۔ اس کے ذہن کے پردے پر صرف شہناز عروسی بنی سوار تھی — وہ زندگی
کے اس پہر میں اسقدر سنجیدہ ہو گیا تھا کہ اسے خود اپنا آپ پرایا محسوس ہونے
لگا تھا —

اچانک ذہن میں شہناز کے الفاظ کی گونج پیدا ہوئی۔ کہ — میں سوچوں
گی کہ تمہارا کس حد تک ساتھ دیا جا سکتا ہے —"

لہٰذا اسے مردوں سے نفرت تھی۔ اعتماد نہیں تھا۔ شاید کوئی گہری چوٹ
کھا چکی تھی۔ لیکن پھر اتنی آسانی سے اس نے اپنے ریشمی بدن کا گھونگھٹ کیوں
مجھے الٹنے دیا۔ کیا وہ کوئی نفسیاتی مریض تھی — کیا وہ کسی ایسے مرد کی رفاقت
کی بھوکی تھی جو اسے ٹوٹ کر چاہے — اس کے وجود میں شبنم کے قطروں کی
مانند اترتا چلا جائے — اس کا بند بند توڑ دے — اسے اپنے اندر سمٹ کر گہری

نیند سلا دے —

وہ سوچتا رہا — اور الجھتا رہا — اور پھر یہ سوچ کر کہ وہ اسے ہر ممکن
کوشش سے ہمیشہ کے لئے اپنا لے گا — اسے تنہا نہیں رہنے دے گا۔
شاید اپنے اس فیصلے پر مطمئن ہو گیا تھا۔ تب ہی وہ آہستہ آہستہ نیند
کی وادی میں اتر گیا —

صبح وہ لیٹ اٹھا تھا — تقریباً گیارہ بجے ناشتے کی میز پر پہنچا تھا۔
جب ملازمہ نے شہناز کی آمد کی اسے اطلاع دی تو وہ اچھل گیا۔ دیوانہ وار باہر کی
طرف لپکا — وہ اسے دیکھ کر مسکرائی — سفید پیراہن میں وہ کوئی آسمانی
حور معلوم ہو رہی تھی — وہ اسے والہانہ انداز میں ملا تھا۔ شاید بانہوں میں جکڑ
لیتا۔ لیکن رعب حسن غالب آ گیا۔ لہٰذا وہ اسے لئے ہوئے ناشتے کی ٹیبل پر
آ گیا —

"کیا کھاؤ گی —"

"یہ کھانے کا کونسا وقت ہے"

"آنکھ دیر سے کھلی تھی اس لئے اس وقت ناشتے کی میز پر نظر آ رہا
ہوں" جاوید مسکرا کر بولا۔

"تمہارے والدین کہاں ہیں" وہ استفسار کر بیٹھی۔ لیکن انداز سرسری تھا۔

"اس دنیا میں نہیں — اپنے خاندان میں آخری میں بچا ہوں"

"اور بیوی بچے —" وہ اپنی بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کر حیرت سے بولی۔

"بیوی ہی نہیں ہے۔ بچے کہاں سے آتے —"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو آزاد ہو ـــــ اُس پنچھی کی طرح جو ہر شاخ کو اپنا مسکن سمجھ لیتا ہے۔"

"اس قدر آزاد بھی نہیں کہ ہر شاخ پر ڈیرہ ڈال لوں۔" جاوید ایک دم محتاط ہو گیا۔ کیونکہ گفتگو نازک موڑ پر نکل آئی تھی۔ اس نے چائے کا کپ بنا کر شہناز کے سامنے رکھ دیا ـــــ اور بولا۔

"تم کون سے دکھ اٹھا رہی ہو ـــــ"

"میں ـــــ" وہ چونکی ـــــ پھر سنبھل کر مسکرائی ـــــ اور محتاط انداز میں بولی۔

"تم مجھے اچھے لگے ہو ـــــ رات بھر ذہن پر سوار رہے ہو ـــــ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں۔ شاید کل کی مختصر رفاقت کے بعد اب تمہارے بغیر نہ رہ سکوں ـــــ اور ہاں ـــــ تم نے میرے بارے کیا سوچا؟"

"یہی کہ ـــــ شاید تمہارے بغیر اپنے آپ کو ادھورا سمجھوں۔"

"تو ہم دونوں ایک کشتی میں سوار ہو گئے ہیں۔" وہ مسکرائی ـــــ اور چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے بولی۔ "میرا نظریہ ہے کہ کم جیو ـــــ لیکن اپنی مرضی سے جیو ـــــ اس طویل زندگی سے کیا حاصل جو پابند رسوم و قیود ہوں ـــــ کیوں کیا خیال ہے۔ میرے نظریے پر عمل کر سکتے ہو؟"

"ضرور کیوں نہیں ـــــ میں قدم قدم تمہارے ساتھ ہوں۔ ان خاردار راہوں پر چلنے کو تیار ہوں جہاں میں نے ابھی تک قدم نہیں رکھا ـــــ"

"آؤ پھر ـــــ وعدہ کریں ـــــ کہ ہم ایک ساتھ جئیں گے اور جب تک سانس باقی ہے ایک ساتھ رہیں گے ـــــ" وہ یوں بولی جیسے کسی مشین سے

آواز ابھری ہو ـــــ

جاوید نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور بولا۔

"مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو ـــــ"

"یہ شادی کیا بلا ہے ـــــ کس بندھن کا نام ہے۔ ہونہہ ـــــ میں آزاد رہنا چاہتی ہوں ـــــ اس قسم کا بندھن عورت کو ذہنی طور پر ـــــ اور جسمانی طور پر غلام بنا دیتا ہے ـــــ نہیں ـــــ میں اپنے آپ کو کسی بندھن میں جکڑنے کو تیار نہیں ـــــ تم میرا ساتھ دینا چاہتے ہو تو یوں ہر بندھن سے آزاد رہ کر دو پیار کا رشتہ بڑا مضبوط بندھن ہے۔ لیکن اس میں رسوم و قیود کی قید نہیں ـــــ ہم دو اچھے دوستوں کی مانند زندگی گزار سکتے ہیں۔ بس ایک بات کا خیال رکھنا کہ میرے ماضی میں جھانکنے کی کوشش نہیں کرو گے۔ میں کون ہوں۔ کیا ہوں۔ تمہیں کوئی واسطہ نہیں۔ البتہ ـــــ ہم ایک دوسرے پر اعتماد ضرور کریں گے۔"

وہ ایک لمحے کے لئے رکی ـــــ اپنی غزالی نگاہوں سے بھرپور انداز میں اس نے جاوید کی طرف دیکھا ـــــ اس کے چہرے پر سنجیدگی کی نہیں چڑھ گئی تھیں۔ جب وہ دوبارہ بولی تو اس کی آواز میں وزن تھا ـــــ اپنے الفاظ کی گونج تھی۔

"مسٹر جاوید ـــــ تم ایک بھرپور مرد ہو ـــــ صرف اعتماد کی فضا پیدا کرو۔ اور اعتماد دونوں انسانوں کے باہمی تعاون سے پیدا ہوتا ہے۔ جو زندگی کو کبھی زنگ آلود نہیں ہونے دیتا ـــــ جو عمر بڑھا دیتا ہے ـــــ جو خوشیوں کو سوا کرتا ہے ـــــ اگر ہم ایک دوسرے کے ماضی کو کریدنے کی کوشش کریں گے تو چنگاریاں اڑیں گی ـــــ فضا زہر آلود ہو جائے گی اور ہم دونوں کا دم گھٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جلے گا۔" جونہی شہناز کے جملے کی گونج ختم ہوئی۔ جاوید کے ذہن پر جیسے چیونٹیاں سی رینگ اٹھیں ـــ وہ تڑپ کر بولا۔

"میں تمہیں پڑھنا چاہتا ہوں شہناز ـــ"

"میں بکھرنا چاہتی ہوں جاوید ـــ مجھے سمیٹنا جانو ـــ"

اور جاوید ایکدم خاموش ہو گیا۔

دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ شاید دونوں ضرورتمند تھے۔ اور اپنی اپنی ضرورتوں کے غلام بھی ـــ یہی وجہ تھی کہ دونوں اب خاموش تھے۔

کچھ دیر بعد وہ اسے اپنے بیڈروم میں لے آیا تھا ـــ دونوں شام پانچ بجے تک وہاں زندگی کے حسین ترین لمحوں کو آسودگی بخشتے رہے۔ پھر جاوید اسے لے کر باہر نکل آیا ـــ دونوں مسرور تھے۔ دونوں مطمئن تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے پر اعتماد کی فضا پیدا کر لی تھی ـــ عہد و پیمان ہوتے تھے۔ قسمیں کھائی گئیں تھیں۔ ایک ساتھ جینے کے وعدے ہوئے تھے۔ اور دن بیتتے چلے گئے۔ دونوں کے لئے ہر دن عید اور رات شب برات ہوتی ـــ شہناز ایک بھرپور عورت تھی جس نے جاوید کو سراب کیا تھا ـــ کچھ ایسے رازوں سے آشکارہ کیا تھا کہ ـــ جاوید کو زندگی کا ہر گزرنے والا لمحہ حسین معلوم ہونے لگا تھا ـــ کلی کلی منڈلانے والا بھنورہ ـــ ہر وقت بے چین رہنے والا انسان سڑکوں پر ـــ بازاروں میں، پارکوں اور سینماؤں میں ہر دم بھٹکنے والا جاوید ـــ اب اپنی منزل پا چکا تھا ـــ وہ مسرور اور مطمئن تھا ـــ

دونوں اس وقت جناح باغ میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ اپنے چاروں

طرف پھیلی ہوئی پھولوں کی خوشبو کو چن رہے تھے کہ اچانک جاوید کا ایک پرانا دوست آ ٹکرایا ـــ

"ہیلو جاوید ـــ"

"ہیلو آفتاب ـــ کیسے ہو ـــ"

آفتاب نے چونک کر شہناز کی طرف دیکھا جو ان سے تین چار قدم دور ہٹ گئی تھی اور ایک کیاری کے قریب کھڑی ہوئی ایک پودے کو بغور دیکھنے لگی تھی۔

آفتاب چند لمحے شہناز کو دیکھنے کے بعد جاوید سے بولا۔

"تو آجکل یہ تمہارے ساتھ ہے ـــ"

"کیا مطلب ـــ؟" جاوید سر سے پاؤں تک سلگ اٹھا ـــ جملے کا زہریلا پن اسے بچھو کی مانند کاٹ گیا تھا۔

اچانک شہناز نے جاوید کو آواز دی۔

"آؤ جاوید ـــ دیر ہو رہی ہے ـــ"

"جاؤ ـــ وہ تنہا رہنے کی عادی نہیں۔ پھر ملیں گے ـــ ویسے ایسی نمکین عورتیں بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں۔"

جاوید کا ذہن جیسے اس غبارے کی مانند پھٹا جس میں ہوا زیادہ بھر دی گئی ہو ـــ وہ تپتا اور سلگتا ہوا ایک جھٹکے سے شہناز کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"میرے ساتھ ہوتے ہو تو صرف میرے ساتھ رہا کرو ـــ میں ایک لمحہ کی جدائی برداشت نہیں کر سکتی ـــ"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاوید نے بڑی مضبوطی سے ہونٹ بھینچے تھے ـــ کچھ دیر بعد دونوں پہلو بہ پہلو ٹویوٹا میں بیٹھے واپس ہو رہے تھے۔ کچھ دیر بعد سمن آباد چوراہے پر وہ شہناز کو ڈراپ کرتے ہوئے اپنے گھر کی طرف رواں دواں تھا ـــ لیکن ذہنی طور پر اسقدر پراگندہ ہو چکا تھا کہ سوچوں کی وسعت لامحدود ہو گئی تھی یہ کون تھی ـــ جس کے لئے وہ اسقدر سنجیدہ ہو چکا تھا ـــ آفتاب کے الفاظ اس کے دل کو چیرتے ہوئے نکل گئے تھے۔

یہ آجکل تمہارے ساتھ ہے ـــ کسقدر عجیب و غریب جملہ تھا ـــ وہ وہ اس کے بارے کیا جانتا تھا ـــ؟ صاف ظاہر تھا کہ ـــ شہناز کے بارے وہ بہت کچھ جانتا ہی تھا ـــ اور اس سے ذاتی طور پر واقف بھی تھا ـــ ورنہ اتنی بڑی بات کیسے کہہ دیتا ـــ وہ سوچتا رہا ـــ اور الجھتا رہا ـــ اس کی سنجیدگی اسے ایک خطرناک موڑ پر لے آئی تھی ـــ

• ——— •

وہ آج پھر گھر دیر سے پہنچی تھی ـــ

آصف نے اسے بڑی خاموش نگاہوں سے دیکھا ـــ لیکن ان نگاہوں میں ایک شکایت تھی ـــ ایک شکوہ تھا ـــ ایک کرب تھا ـــ ایک بیقراری تھی۔ اور ایک سرد قسم کی اذیت تھی ـــ جسے شہناز سمجھتی تھی ـــ جانتی تھی وہ اپنا پرس صوفے پر پھینکتی ہوئی بولی۔

"سوری جان ـــ فرحت نے روک لیا تھا ـــ کیا کروں کالج کی سہیلیاں اکثر جان کو آجاتی ہیں۔"

"میں نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا ـــ" آصف سرد سی آواز میں بولا۔

"کتنی بار کہا ہے کہ انتظار مت کیا کرو ـــ شاید بچوں نے بھی کچھ نہیں کھایا ہوگا ـــ" وہ اپنی دلکش مسکراہٹ شوہر پر نچھاور کرتی ہوئی بولی۔

"بچے ـــ" وہ کربناک انداز میں بڑبڑایا۔

"کیا بھوکے سو گئے ـــ" شہناز جلدی سے بولی۔

"ایک باپ کے ہوتے ہوئے بھوکے کیسے سو سکتے ہیں۔ ویسے بھی انہیں باپ کے ہاتھوں کھانے کی عادت پڑ گئی ہے۔"

"ایک ہی بات ہے ـــ ماں نہ سہی باپ کے ہاتھوں سہی ـــ نہ تو وہ اپنی ماں بدل سکتے ہیں اور نہ باپ ـــ"

"بے بس اور مجبور جو ٹھہرے ـــ" آصف زہرخند کے ساتھ بولا۔

شہناز شوہر کے لہجے اور دلی کیفیت کا خوش لئے بغیر ملحقہ کمرے میں لباس تبدیل کرنے چلی گئی۔ اور آصف جو ایک مدت سے اندر ہی اندر جل رہا تھا ـــ بھن رہا تھا ـــ اس کی بے نیازی پر تڑپ کر رہ گیا۔ وہ اندھا نہیں تھا۔ سب کچھ جانتا تھا کہ اس کی خوبصورت بیوی ان سہیلیوں کے پاس جاتی ہے۔ حالانکہ وہ خود ایک وجاہت آمیز اور دلفریب شخصیت کا مالک تھا۔ اچھا خاصا کاروبار تھا ـــ بنک بیلنس، گاڑی، عزت اور اولاد جیسی نعمت سے سرفراز تھا ـــ لیکن وہ شروع دن سے لے کر آجتک اپنی بیوی کو نہیں سمجھ سکا تھا ـــ جو اس کے ساتھ بے انتہا پیار کرتی تھی۔ جب اس کے ساتھ بستر پر لیٹتی تھی تو اپنے بدن کے تمام در کھول دیتی تھی ـــ اسقدر لوٹ کر اسے پیار کرتی تھی کہ وہ اپنی سوچوں پر خود شرمندہ ہو جاتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دس سال ــــ زندگی کے قیمتی دس سال اس نے بڑے کرب کے ساتھ گزار دیئے تھے۔ لیکن نہیں جان سکا تھا کہ ــــ کہاں جاتی ہے اور کہاں سے آتی ہے۔ اس کے کیا مشاغل ہیں۔ وہ کس قسم کی تفریح کرتی ہے۔ اس کی کونسی سہیلیاں ہیں جو اسے دس ــــ دس ــــ گھنٹے روک لیتی ہیں۔ حالانکہ خود اپنے گھر اُس نے اپنی کسی سہیلی کو مدعو نہیں کیا تھا۔ اور آصف بڑی خاموشی سے زہر پی رہا تھا۔

دو بیٹیاں اور ایک بیٹا قدرت نے انعام کے طور پر اُسے عطا کر رکھا تھا ــــ لیکن یہ کیسی ماں تھی ــــ جو اس کی بہتر طور پر تربیت نہیں کر پا رہی تھی۔ جبکہ گھر میں خدا کا دیا سب کچھ تھا ــــ لیکن وہ اکثر گھر سے باہر رہتی تھی۔ اور وہ سلگتا رہتا تھا۔ حالانکہ کئی بار ہلکی پھلکی دونوں کے درمیان جھڑپ ہو چکی تھی۔ لیکن شہناز نے اپنی روشش ترک نہیں کی تھی ــــ

وہ جب لباس تبدیل کر کے سفید نائٹی میں اس کے سامنے آئی تو کوئی آسمانی حور معلوم ہو رہی تھی ــــ آصف نے اپنے جذبات پر قابو رکھتے ہوئے اسے بڑی سنگین نگاہوں سے دیکھا ــــ

"آؤ جان ــــ کچھ لمحات کو امرت کرلیں ــــ آج بہت تھک گئی ہوں۔ حالانکہ سونا چاہتی تھی ــــ لیکن پھر تمہارا خیال آجاتا ہے ــــ آؤ ــــ میں بستر پہ بکھر رہی ہوں۔ اور تم نشہ بن کر میرے وجود پر چھا جاؤ ــــ قطرہ قطرہ شبنم بن کر میرے اندر اُتر جاؤ ــــ"

"مجھے تم سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔" آصف سلگ کر بولا۔

"کیا اس رات کی سحر نہ ہوگی۔" وہ بستر پر گرتے ہوئے ایک بھرپور انگڑائی

لے کر بولی۔

"اندھیرے کے بعد اُجالا ضرور ہوتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی اندھیرا کچھ ایسے داغ چھوڑ جاتا ہے جو دن کے اُجالے میں دوسروں کو نظر نہیں آتے ــــ"

"کیا مطلب ــــ" وہ چونک کر ایکدم سیدھی ہو گئی۔ اس کی غزالی آنکھیں پھیل سی گئی تھیں۔

"میں تم سے آج کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں ــــ پھر شاید کبھی موقع نہ ملے۔"

"کیا ہم دونوں میں سے کوئی مرنے والا ہے ــــ" وہ جھٹکے دار آواز میں بولی۔

"موت کا تم نے صرف نام سُن رکھا ہے اسے قریب سے نہیں دیکھا ــــ وہ اسقدر بھیانک ہوتی ہے کہ ــــ انسان لرز کر رہ جاتا ہے ــــ اور تمہارے نزدیک شاید موت صرف اس بات کا نام ہے کہ جسم روح سے خالی ہو گیا اور پھر انسان اسے کندھوں پر اٹھا کر قبرستان میں دفن کر آئے ــــ لیکن شہناز ــــ ایک دوسری موت بھی ہوتی ہے پہلی موت تو شاید آسان ہو ــــ کہ انسان مرا ــــ اور دنیا کی مصیبتوں سے جان چھوٹ گئی۔ اور دفن ہو گیا ــــ لیکن دوسری موت ایسی نہیں ہوتی ــــ وہ بڑی بھیانک اور اذیت ناک ہوتی ہے۔ انسان روز مرتا ہے ــــ لیکن اسے جینا پڑتا ہے۔ اور وہ زندگی اس کے لئے عذاب سے کم نہیں ہوتی ــــ انسان موت مانگتا ہے لیکن موت دُور کھڑی مسکرا رہی ہوتی ہے اور ــــ"

"آخر اسقدر باریک باتیں کرنے کا مقصد کیا ہے۔" وہ تپ کر بولی

آصف نے اسے بڑی سرد نظروں سے دیکھا ــــ اور پھر بڑے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں گویا ہوا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم میری بیوی ہو نا ——

"اس میں کیا شک ہے۔ دس سال سے تمہاری بیوی ہوں۔ پوری دنیا کو علم ہے۔"

"لیکن میں تمہیں آج تک نہیں سمجھ سکا ——"

"آؤ —— یار —— کیوں پریشان کر رہے ہو۔ شاید تمہیں آج پھر دورہ پڑا ہے۔ حالانکہ جو انسان دس سال سے بیوی کو نہ سمجھ سکا ہو —— وہ ایک رات میں بھلا خاک سمجھے گا —— عورت تو ایک بربط ہے —— اس کے رازوں کو وہی جان سکتا ہے جو اس کے تاروں پر ماہرانہ انداز میں انگلیاں چلانا جانتا ہو —— اور تم —— دس سال سے مسلسل تاروں سے کھیل رہے ہو۔ لیکن آج پھر بے ثباتی کی شکایت، اپنے انجانے پن کا رونا —— اپنی کم علمی اور کم مائیگی کا شکوہ —— —— چھوڑو —— ان فضولیات کو۔ آؤ —— اپنے جذبات سے اس رات کی خوشبو چن لیں۔ اس رات کو حسین بنائیں۔"

"شہناز —— سنجیدہ ہو جاؤ —— میں آج تمہیں سمجھنا چاہتا ہوں۔"

"اور میں اس وقت بکھرنا چاہتی ہوں —— آؤ —— مجھے اپنی بانہوں میں سمیٹ لو۔ میں پیاس محسوس کر رہی ہوں۔ ایسے ہی جیسے روز اوّل سے پیاسی ہوں ——"

"عجیب عورت ہو —— بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔"

"تم کیسے مرد ہو کہ اپنی عورت کے جذبات کو محسوس نہیں کرتے۔"

"یہ ہر روز کا کام ہے۔ کوئی نیا نہیں ——"

"دیکھو آصف —— میں ذہنی طور پر کسی کی غلام بن کر نہیں رہ سکتی۔ اور یہ بات میں تمہیں کئی بار کہہ چکی ہوں —— کہ میں جسقدر تنوع پسند ہوں اسقدر ہی شوہر پرست بھی ہوں۔ تم نے جب بھی مجھے آوازدی میں نے لبیک کہا —— تمہارے گھر کی فضا قائم رہے تو رشتے پروان چڑھتے ہیں۔ ورنہ —— ٹوٹ جاتے ہیں۔ بکھر جاتے ہیں۔ میں شادی سے پہلے بھی آزاد تھی۔ شادی کے بعد بھی آزاد رہی۔ اور اس وقت بھی آزاد ہوں۔ میں تمہاری بیوی ہوں —— غلام نہیں —— تم سارا دن باہر رہتے ہو —— کہاں رہتے ہو، کیا کرتے ہو۔ کس وقت آتے ہو —— اور کس وقت جاتے ہو —— میں نے کبھی دخل نہیں دیا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ —— تم مجھ پر پابندیاں عاید کر رہے ہو —— نہیں آصف —— میں رسوم و قیود کی پابند نہیں رہ سکتی —— کیونکہ یہ چیزیں زندگی کو کھا جاتی ہیں۔ جذبات کو سرد اور زنگ آلود کر دیتی ہیں۔ یوں سوچو کہ ہم ایک دوسرے کی ضرورت ہیں۔ تمہیں میری اور مجھے تمہاری۔ کیونکہ میں تمہاری بیوی ہوں اور تم میرے شوہر —— جہاں تک میرا تعلق ہے۔ میں ایک بیوی کی حیثیت سے تمہاری ہر خواہش کو پورا کرتی ہوں۔ میں نے تمہاری خواہش کا احترام کیا۔ اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو ——"

"تمہارے نزدیک میاں بیوی کا صرف یہی مطلب ہوتا ہے۔" آصف جل کر بولا۔

"کچھ اور بھی ہوتا ہے تو بتا دو ——"

"نہیں میں تمہیں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ لیکن آج ایک بات سمجھ لو کہ ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دن ـــــ تم اپنے اس فلسفے کا خود مذاق اڑاؤ گی۔ لیکن وقت انسان نہیں کہ واپس لوٹ آئے ـــــ جب یہ گزر جائے گا تو تمہارے چہرے پر گزرے ہوئے ایام کی گرد رہ جائے گی ـــــ شاید ایک دن تمہاری اولاد بھی تمہیں پہچاننے سے انکار کر دے ـــــ تم نے انہیں پیدا ضرور کیا ہے۔ لیکن ایک ماں کا پیار ـــــ اور وہ وقت انہیں نہ دے سکیں جو ان کا حق ہے۔"

"تو تم ـــــ میری اولاد کو مجھ سے بدظن کر رہے ہو۔" وہ تڑپ کر بولی۔

"ابھی ان کا شعور بیدار نہیں ہوا ـــــ جب بیدار ہو گا تو تمہیں سمجھنے کی کوشش ضرور کرے گی۔"

شہناز نے بڑے کربناک انداز میں کروٹ بدلی۔ پھر پیٹ کے بل مسہری پر لیٹ گئی۔ اور بولی۔

"سو جاؤ آصف ـــــ تم شاید ذہنی طور پر تندرست نہیں ہو۔"

"اپنے بارے تمہارا کیا خیال ہے ـــــ"

"اف ـــــ" وہ تڑپ کر اٹھی اور بولی۔

"میرا خیال ہے کہ شاید تمہیں اس وقت تنہائی کی ضرورت ہے۔ میں باہر کھلی فضا میں جا رہی ہوں۔ میری واپسی تک اپنا موڈ ٹھیک کر لینا۔" اتنا کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گئی ـــــ لیکن جاتے جاتے ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھانا نہیں بھولی تھی۔

اس پر عجیب وحشت سوار ہو گئی تھی۔ ذہن چیخ کر رہ گیا تھا۔ اسے روش سے گاڑی نکال کر باہر سڑک پر آتے وقت یہ بھی خیال نہیں آیا تھا کہ وہ اس

وقت صرف سفید نائٹی پہنے ہوئے ہے۔ وہ آندھی اور طوفان کی مانند گھر سے نکلی تھی۔ اس کا جسم نائٹی میں تھل تھل، جھلل جھلل کر رہا تھا۔ رات کے نو بج رہے تھے۔ اس کا رخ سوسائٹی کی جانب تھا۔ گاڑی کی رفتار اسقدر تیز تھی کہ ذرہ سی غلطی کی وجہ سے وہ کسی سنگین حادثے کا شکار بھی ہو سکتی تھی۔ لیکن اس کا ذہن تو جل رہا تھا۔ جیسے اسے جکڑ دیا گیا ہو ـــــ الفاظ کے نشتروں سے اس کا سینہ چھلنی کر دیا گیا ہو ـــــ وہ تیار ہو کر اپنے شوہر کی آغوش میں سونا چاہتی تھی ـــــ پتی پتی ہو کر بکھر جانا چاہتی تھی ـــــ لیکن وہ دقیانوسی باتیں لے بیٹھا تھا ـــــ اسے ذہنی طور پر اپنا غلام بنانا چاہتا تھا ـــــ اور وہ غلامی کی زندگی پر لعنت بھیجتی تھی وہ کھلی فضاؤں میں پرواز کرنے والی ایک بلبل تھی۔ جو اپنی آواز سے، اپنی ترنگ سے، اور اپنے خون سے اپنے آپ کو گرماتی تھی۔

وہ ایک پرندہ بن کر فضاؤں میں اڑنا چاہتی تھی۔ جہاں اس کا دم نہ گھٹے ـــــ ہر درخت، ہر شاخ اس کا آشیانہ ہو ـــــ جہاں بیٹھ گئی ـــــ جہاں بسیرا کر لیا وہی اس کا گھر ـــــ

لیکن یہ انسان دس سال سے اسے قید کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے جذبات کے منہ زور دھاروں پہ بند باندھنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ اپنے شوہر ہونے کا حق جتا کر اس کی ذہنی آزادی کو سلب کرنا چاہتا تھا۔ جب بھی اس کے اندر کی عورت ایک انگڑائی لے کر جوان ہوتی تھی تو وہ اپنی رام کہانی لے کر بیٹھ جاتا تھا۔ اس کے وجود پر جذبات کی پھوار برس رہی ہوتی تھی ـــــ اور وہ اس کے ذہن کو اپنی تلخ باتوں سے کچوکے لگانا شروع کر دیتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لئے وہ وقت آجتک نہیں بھولا تھا ـــــ جب وہ پندرہ سال کی تھی۔ اور میٹرک میں پڑھ رہی تھی ۔امتحانات شروع تھے۔ تاریخ کا پرچہ دے کر آ رہی تھی ـــ اور اسے بھوک کی شدت نے نڈھال کر رکھا تھا۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ اسے کھانا خود تیار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ گھر والے شادی کی تقریب میں صبح سے گئے ہوئے تھے اور شام سے پہلے ان کی واپسی ناممکن تھی۔ ملازمہ تین دن سے اپنے گاؤں گئی ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کھانا خود تیار کرنے کے احساس نے اس کی بھوک کو مزید بڑھا دیا تھا ـــــ کیونکہ وہ کسی حد تک گھر کے کاموں سے جی چراتی تھی۔ جیسے ہی بنگلے میں داخل ہوئی۔ اسے اپنے بھائی جمیل کی گاڑی بڑی روش پہ کھڑی نظر آ گئی۔ غیر متوقع طور پر بھائی کو گھر دیکھ کر اسے مزید کوفت ہوئی تھی۔ اور کوفت کی وجہ صرف یہی احساس بنا تھا کہ اسے اپنے ساتھ ساتھ بھائی کا کھانا بھی تیار کرنا پڑنا تھا ـــــ وہ ذہنی طور پر کچھ جھنجھلا گئی تھی ـــ اپنے کمرے میں آتے ہی اس نے پیپروں کو صوفے پر پھینک دیا تھا ـــــ پھر ایکدم وہ ساکت ہو گئی تھی۔ اس کے کانوں میں بڑی عجیب و غریب اور غیر فطری سی آواز گونجی تھی۔ اور یہ آواز ملحقہ کمرے سے آئی تھی جو اس کے بھائی کا بیڈروم تھا ـــــ اس کی طرف کھلنے والا دروازہ ہمیشہ بند رہتا تھا ـــــ غیر ارادی طور پر وہ دروازے کی جھری پر جھک گئی۔ لیکن پھر دوسرے ہی لمحے یوں اچھل کر پیچھے ہٹ گئی جیسے الیکٹرک شاک لگا ہو ـــــ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ سی گئیں۔ کمرے کے اندر کا منظر ناقابل یقین تھا۔ حالانکہ اس کا بھیا بہت شریف انسان تھا۔ لیکن جو کچھ وہ اندر دیکھ چکی تھی یا جو کچھ ایک لمحے میں اسکی آنکھوں نے دیکھا تھا وہ منظر اسے ساکت

و جامد کر دینے کیلئے کافی تھا۔ نجانے وہ عورت کون تھی جو کپڑوں سے بے نیاز اپنے قدرتی پیراہن میں اس کے بھائی کے ساتھ لپٹی ہوئی تھی ـــــ

چند لمحے ذہنی جھٹکے کھانے کے بعد اسے پھر ہوش آیا ـــ اور ایک بار پھر غیر ارادی طور پر وہ پھر دروازے کی جھری پر جھک گئی۔ اور پھر آنکھ جھپکنا تک بھول گئی۔ اسے اپنے وجود میں جیسے خود چونٹیاں رینگتی محسوس ہوئیں تھیں۔ پہلے اسے سردی کا احساس ہوا ـــ اس کے بدن پر کپکپی سی طاری ہوئی۔ پھر پسینہ پھوٹا۔ پھر وہی بدن آہستہ آہستہ لو دینے لگا ـــــ دہکنے لگا ـــــ گرمی ذہن اور دل تک پہنچی۔ اس کے ضیائے شباب کی سرفرازی نے ایک مضراب کی طرح اس کے جذبات کے تاروں پر ایک وحشیانہ سی دُھن چھیڑ دی۔ اور وہ ایک لاہوتی دُھن تھی ـــــ اس دُھن کی گونج اس نے زندگی میں پہلی بار سنی اور محسوس کی تھی۔ یہ بالکل ایک نئی دُھن تھی جو اس کے احساس میں ایک آگ سی بھر گئی۔ اس لاہوتی دھن سے جو لاہوتی نغمہ ابھرا ـــــ اگر آسودہ تکمیل نہ ہوتا تو مضراب کی وحشت سے جذبات کے تار ٹوٹ جاتے ـــــ کیونکہ آرزوئے وصال کا گرداب اسے بھینچے ڈال رہا تھا۔ ایسے لمحے اعضا کی حرکت کا انقطاع اسے یوں لگا جیسے نبض کائنات ڈوب رہی ہو۔ وہ اپنی سدھ بدھ کھوتی جا رہی تھی۔ یہ درد کہاں سے اس کے بدن پر لوٹ پڑا تھا۔ یہ لذت اور کیف کے جھاگل کیوں انڈ پڑے تھے۔ جس سے وہ ابھی تک ناآشنا تھی۔ کچا ذہن تھا۔ بھیا کے کمرے کا منظر اسے لے ڈوبا تھا ـــــ وہ چند لمحوں میں جیسے جوان ہو گئی ہو ـــــ پھر اچانک اسے احساس ہوا جیسے پورا وجود بھیگ گیا ہو۔ لذت انبساط کی پھوار سی اس پر پڑی تھی اور وہ یکلخت نڈھال سی ہو کر پرے ہٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئی۔ پورے جسم میں جنبش یا رتک نہ رہا — وہ بڑی مشکل سے بیڈ تک پہنچی تھی اور یوں ساکت و جامد ہو گئی تھی جیسے اس کے جسم سے پوری جان نکل گئی ہو — نجانے کب تک وہ بے سدھ سی پڑی رہی۔ بس ہلکا ہلکا احساس تھا کہ جمیل کا دروازہ کھلنے کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ پھر گاڑی کا دروازہ بند ہونے کی آواز ابھری تھی — اور پھر گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تھی۔ شاید جمیل اپنی مہمان دوست کو لیکر چلا گیا تھا۔ لیکن وہ ابھی تک بستر پر بے سدھ نڈھال پڑی رہی — ابھی تک سانسوں کی ناہمواری میں ربط پیدا نہیں ہوا تھا — پھر آہستہ آہستہ جیسے اسے ہوش آیا ہو — ذہن بیدار ہوا تھا — پھر جا کر وہ پانی کے ٹب میں بیٹھ گئی تھی — جیسے اپنے آپ کو — اپنے سلگتے ہوئے وجود کو ٹھنڈا کر دینا چاہتی ہو —

نجانے بھوک کا احساس اور شدت کیوں ختم ہو گئی تھی — البتہ پانی کے ٹب میں اس کے جسم نے آگ لگا دی تھی — ہر طرف آگ ہی آگ تھی — شعلے ہی شعلے تھے جو اس کے گرد ناچ رہے تھے۔ دوسرے دن وہ ڈھنگ سے پرچہ تک نہ دے سکی۔ باہر آئی تو سرفراز اس کا منتظر تھا۔ جو دو ماہ سے مسلسل اس کا پیچھا کر رہا تھا اور وہ ہر روز اسے گھورتے ہوئے نفرت سے زمین پر تھوک کر گزر جاتی تھی۔ اسے اس لڑکے سے نفرت ہو گئی تھی جو ہر وقت اس کے راستے میں کھڑا رہتا تھا۔ اس کے پڑوس میں رہتا تھا۔ لیکن آج نجانے کیوں اس نے سرفراز کو بغور دیکھا تھا اور غیر ارادی طور پر وہ مسکرائی بھی تھی — آج سرفراز اسے نجانے کیوں اچھا لگا تھا۔ شاید وہ حقیقت کو پا گئی تھی — کہ وہ کیوں اسے ہر وقت تکتا رہتا ہے۔

سرفراز بڑی تیزی سے اس کے قریب آیا تھا۔ اور شہناز نے جھینپ کر سر جھکا لیا تھا — شاید اسے جمیل والا واقعہ یاد آ گیا تھا —

"آؤ کیفے تک چلیں —"

"نہیں — ملازمہ گاؤں گئی ہوئی ہے اور گھر والے ایک شادی کی تقریب میں — وہ دو دن سے شادی اٹینڈ کر رہے تھے — تم کوٹھی چلے آؤ —"

شہناز کے اندر نجانے اتنی جرأت کہاں سے آ گئی تھی کہ — وہ اسے ساتھ لئے کوٹھی چلی آئی — لیکن آج جمیل کی گاڑی روش پر کھڑی دکھائی نہ دی — وہ سرونٹ کوارٹر کی بجائے اپنے کمرے میں سرفراز کو لئے ہوئے آ گئی۔ اور کچھ دیر بعد وہی کھیل — جو کل اپنے بھائی جمیل کو کھیلتے دیکھ چکی تھی۔ شروع ہو گیا — لیکن سرفراز شاید نروس ہو گیا تھا — وہ خود تو وقت سے پہلے فارغ ہو کر اور اسے بیچ منجدھار چھوڑ کر خوف کے مارے بھاگ اٹھا — اور شہناز کو جیسے انگاروں پر پھینک گیا ہو — لاہوتی دھن کی لَے درمیان میں ٹوٹ گئی تھی — اور وہ پورے بستر پر مچھلی کی مانند تڑپتی رہی — اسے سرفراز سے بڑی شدید نفرت ہوئی تھی — اور یہی وہ وقت تھا جب اپنی خواہش کی تکمیل نہ ہونے پر وہ بکھر گئی تھی — اور آج تک جبکہ پندرہ سال بیت چکے تھے، سمٹ نہ پائی تھی۔ وہ اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے سینکڑوں بار جان سے گزر گئی تھی — کسی درخت سے کچے پھل کو اتار لیا جائے تو پھر وہ کبھی نہیں پکتا — اور وہ اس پھل کی مانند آج بھی کچی تھی — اپنی خواہشات کی آسودگی کے لئے منزل منزل بھٹک رہی تھی — کئی بار منزل پر پہنچی لیکن پھر اسے تشنگی کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احساس سوا ہوجاتا ——

شادی کو بھی دس سال بیت چکے تھے۔ لیکن وہ بھٹک رہی تھی —— اور اس وقت آصف کی وجہ سے وہ نائٹی پہنے بھاگ اٹھی تھی —— اُسکے جذبات بکھرے ہوئے تھے۔ وہ دیوانوں کی مانند سوسائٹی پہنچی تھی —— گاڑی اس نے روش پر چھوڑ دی —— پہیئے چرچرائے تھے۔ جن کی آواز سن کر جاوید اپنے کمرے سے باہر نکل آیا تھا ——

"تم ——!" وہ اسے باریک نائٹی میں دیکھ کر حیران رہ گیا۔

لیکن وہ کچھ نہ بولی۔ البتہ انگارہ ہونے والی نگاہوں کے درمیان اس نے جاوید کی طرف دیکھا۔ جن میں جذبات کے جلتے بجھتے چراغ روشن تھے۔ ناکام حسرتوں —— اور ناآسودہ خواہش کی تکمیل کا کرب تھا —— وہ سیدھی جاوید کی باہوں میں آ گئی ——

"م —— مجھے اپنی باہوں میں جکڑ لو جاوید —— م —— میں بڑی شدت سے پیاس محسوس کر رہی ہوں ——"

اور جاوید الجھا —— الجھا اسے اپنے بیڈروم میں لے آیا ——

پھر ایک گھنٹے بعد جیسے طوفان تھم گیا ہو —— سنسناتی ہوئی ہوا سکوت کے گہرے سمندر میں اتر گئی ہو —— اور وہ —— بے خودسی قالین پر اوندھی پڑی سو رہی تھی —— اور جاوید اسے تک رہا تھا —— اس کے اپنے ذہن میں ایک بھونچال اٹھا ہوا تھا —— کبھی وہ شہناز کو دیکھ کر نفرت سے ہونٹ سکیڑ لیتا تھا —— کبھی اسے اس کی حالت پر رحم آجاتا تھا ——

اس کے دوست آفتاب نے فون پر اسے شہناز کے بارے کچھ بڑی اہم باتیں بتائی تھیں —— کہ وہ انسانوں سے کسی جونک کی مانند لپٹ کر اس کا تمام خون پی جاتی تھی —— اس کا ایک شریف قسم کا شوہر تھا۔ دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا —— لیکن وہ اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے بھٹک رہی تھی —— آفتاب کی باتوں نے اس کے ذہن پر چرکے لگائے تھے۔ وہ جسقدر اس کے بارے سنجیدہ تھا۔ اب اسقدر ہی دور ہوگیا تھا —— اس نے ایک بڑا اہم فیصلہ کیا تھا ——

شہناز تقریباً گیارہ بجے بیدار ہوگئی تھی —— اس نے جاوید کی طرف دیکھا اور چونک کر بولی۔

"شاید میں سوگئی تھی —— اب مجھے چلنا چاہیئے۔"

"لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ کے لئے اپنا گھر بار چھوڑ کر میرے پاس آ جاؤ۔ ہم دونوں یہ شہر چھوڑ دیتے ہیں۔ کیا تم تیار ہو ——"

شہناز نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ پھر چند لمحوں تک کچھ سوچتی رہی۔ جیسے کوئی فیصلہ کرنا چاہتی ہو —— ہر لمحے اس کے چہرے کے تاثرات بدلتے رہے۔ پھر اچانک اس کے چہرے پر سے تمام بادلوں کا سایہ ہٹ گیا۔ وہ پرسکون ہوگئی تھی ——

"ٹھیک ہے میں سات بجے اسٹیشن پر پہنچ جاؤں گی —— مجھے وہاں سے لے لینا ——" اتنا کہہ کر وہ چلی گئی۔

اور جاوید ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا ——

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رات کے ساڑھے چھ بج رہے تھے۔ پانچ نمبر پلیٹ فارم پہ بہت رونق تھی ـــ تیزرو کی آمد آمد تھی۔ ہر طرف ایک شور تھا ـــ قلی ادھر اُدھر بھاگتے پھر رہے تھے۔ اور وہ ایک بریف کیس لئے جس میں اس کے زیور تھے اور ایک آدھ جوڑا رہا ہوگا۔ دائیں ہاتھ میں پکڑے جاوید کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ آدھا گھنٹہ وقت سے قبل آ گئی تھی۔ اس نے بڑی سوچ بچار کے بعد اس شہر کو ـــ شوہر کو ـــ اور اپنے تینوں بچوں کو چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔

پونے سات ہوئے ـــ تیزرو آئی ـــ ہر طرف سے ایک شور اٹھ کھڑا ہوا ـــ لیکن جاوید ابھی تک نہیں آیا تھا ـــ وہ ایک طرف ہو کر ٹہلتی رہی۔ زندگی میں شاید پہلی بار ایک عجیب کیفیت سے دوچار ہوئی تھی ـــ

اور پھر جاوید آ گیا ـــ شہناز تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔ اور بولی۔

"اتنی دیر ـــ خیر کوئی بات نہیں ـــ میرے پاس اے سی دوبرتھ کا کمرہ بک ہے اور ہم کراچی جا رہے ہیں۔ لیکن تم خالی ہاتھ کیوں ہو" وہ اسے خالی ہاتھ

دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

"خالی ہاتھ اس لئے ہوں کہ میں نے تمہیں بہت دیر بعد پہچانا ـــ" جاوید زہر خند کے ساتھ بولا۔

"کیا مطلب ـــ" شہناز کی آنکھوں میں عجیب سے رنگ ابھرے۔

جاوید نے سگریٹ فرش پر پھینک کر اسے بوٹ سے مسل دیا ـــ پھر اپنے الفاظ کی نوک پلک کو سنوارتے ہوئے بڑے تلخ لہجے میں بولا۔

"میں نے دنیا میں ہزاروں عورتیں دیکھی ہیں۔ لیکن تم جیسی کوئی نہیں دیکھی۔ میں نے ان لڑکیوں کو ـــ نوخیز کلیوں کو بھی دیکھا ہے۔ جنہوں نے اپنے جذبات کے دھارے پر بہہ کر ماں کی کوکھ اور باپ کی غیرت کو رسوا کیا اور اپنے کسی آشنا کے ساتھ بھاگ گئی ـــ لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں اور نہ ہی اس دور میں عجیب ہے ـــ اسے درگذر کیا جا سکتا ہے ـــ میں نے بیویوں کو شوہر کے اعتماد کو دھوکہ دیتے اور اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے آوارہ گردی کرتے دیکھا ہے۔ اور یہ بھی میرے نزدیک کوئی جرم نہیں۔ کیونکہ جذبات اندھے ہوتے ہیں۔ اچھے بُرے کی پہچان کھو دیتے ہیں۔ اس لئے اس بات کو بھی نظر انداز اور درگذر کیا جا سکتا ہے۔ میں نے طوائف زادیوں کو بھی دیکھا ہے جو اپنی پیشانی پہ بدنمائی کا جھومر سجا کر دن رات دولت کے لئے دوسروں کو دھوکہ دیتی ہیں۔ لیکن اپنے آپ کو شریف زادی نہیں کہتیں ـــ لیکن میرے نزدیک یہ بھی کوئی جرم نہیں۔ کیونکہ یہ ان کا پیشہ ہے۔ لیکن ان طوائفوں میں ایک صفت ضرور دیکھی ہے ـــ کہ وہ اپنی اولاد، خاص طور پر اپنی بیٹیاں نہیں بانٹتیں ـــ لیکن تم کیسی رنڈی ہو ـــ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جس نے اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے اپنی ممتا کا گلا گھونٹ دیا — جو عورت اولاد چھوڑ کر کسی محبوب کے ساتھ بھاگ سکتی ہے تو اس محبوب کے ساتھ کتنے دن رہ سکے گی۔ نہیں —— شہناز —— تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کا تصور کیا جائے — تم جیسی ماں ہے جو اپنے بچوں کو ذبح کر کے اپنے سفلی جذبات کی تکمیل چاہتی ہے۔ میں نے پوری دنیا میں ایسی کوئی ماں نہیں دیکھی جس نے اپنی اولاد کو یوں قربان کیا ہو۔ اور جو عورت اپنے بچوں کی قاتل بن سکتی ہے۔ اس کا کیا اعتبار —— لہٰذا —— میں جا رہا ہوں۔ آئندہ کبھی میری طرف رُخ تک نہ کرنا —— کیونکہ مجھے تم سے نفرت ہے —— شدید نفرت ——"

اتنا کہہ کر جاوید تیزی سے پلٹا اور ایک طرف نکلتا چلا گیا۔ اور شہناز —— جیسے پتھر کے مجسمے میں ڈھل گئی ہو — وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے خلا میں گھورے جا رہی تھی۔ اچانک تیز رو کی تیز وسل نے اسے چونکا دیا —— گاڑی پلیٹ فارم چھوڑے جا رہی تھی —— وہ اچانک کسی فوری فیصلے کے تحت گاڑی کی طرف مڑی —— لیکن وہیں ساکت ہو گئی۔ سامنے آصف —— اس کا شوہر کھڑا اسے گھور رہا تھا —

چند لمحوں تک دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر اچانک وہ مڑی اور گاڑی کی طرف بڑھنے کے لئے جیسے ہی اس نے قدم اٹھایا پھر وہیں رک گئی۔ کیونکہ گاڑی پلیٹ فارم چھوڑ چکی تھی۔ اب تو شہناز کو آخری بوگی کی پشت نظر آ رہی تھی ——

اور پھر وہ بری طرح لڑکھڑا کر آہستہ آہستہ شوہر کی جانب مڑی تھی۔

عاشق چھوڑ گیا — گاڑی نکل گئی۔ سامنے شوہر کھڑا تھا — لیکن وہ تنہا تھی — تنہائی کا سناٹا اس کے پورے وجود میں گونج چھوڑے ہوئے تھا — عجیب دوراہے پہ کھڑی تھی —— چند گھڑیاں —— چند لمحے کربناک اور اذیت سے ڈنگ مارتے ہوئے گزر گئے ——

اچانک جیسے ذہن نے اسے راستہ دیا ہو۔ سرگوشی کی ہو کہ — جا —— اپنے شوہر کے پاس لوٹ جا — شریف انسان ہے اپنی عزت کو ڈھانپ لے گا — اور پھر اسی لمحے قدموں کو حرکت ہوئی۔ وہ آہستہ آہستہ شوہر کی طرف بڑھی — اس کے قریب پہنچ کر وہ رکی اور بڑے ہی غیر جذباتی انداز میں بولی۔

"کیا سزا دینا چاہتے ہو —"

آصف زیر لب مسکرایا — لیکن اس کی مسکراہٹ میں دس سال کے کرب کا زہر بھرا ہوا تھا۔ آنکھوں میں عجیب سی نفرت کے رنگ تھے۔

"بولو —— کیا سزا دیتے ہو ——" وہ جیسے اس کی خاموشی پر چیخ پڑی ہو۔

"سزا اور تمہیں —— نہیں شنو —— میں تمہیں کیا سزا دوں گا — تمہارے لئے کیا یہ سزا کم ہے کہ آج تم تنہا رہ گئی ہو —"

"ن —— نہیں ——" وہ پوری قوت سے چیخ پڑی — جس سے پورا پلیٹ فارم گونج اٹھا۔

"خدا حافظ ——" آصف اتنا کہتے ہوئے تیزی سے پلٹا اور ایک طرف بڑھتا چلا گیا ——

اور وہ تنہا وہاں رہ گئی — اس کا کوئی اپنا نہیں تھا —— نہ کوئی دوست۔

نہ کوئی چاہنے والا — نہ شوہر اور نہ بچے — وہ آج سب کے لئے اجنبی ہو گئی تھی تنہا اور بے یار و مددگار — کچھ گھڑیاں — کچھ ساعتیں کربناک خاموشی میں لپٹی گزر گئیں۔ وہ سکتے کی حالت میں کھڑی تھی — اور پھر اچانک اس کے ذہن میں چنگاری پھوٹی —

میری اس بربادی کا ذمہ دار کون ہے — ؟ میں خود — یا میرا بھائی جمیل!

ایک سوالیہ نشان اس کے ذہن کے پردے پر ابھرا — اور پھر جیسے اس نے اس سوال کو حل کر لیا ہو — وہ بڑی تیزی سے اسٹیشن سے باہر آئی — ٹیکسی لی۔ اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ یہ اس کا اپنا گھر تھا۔ جو بیاہنے کے بعد پرایا ہو گیا تھا۔

وہ سیدھی جمیل کے کمرے کی طرف بڑھی تھی — اور ایک بھائی مدت بعد اپنی بہن کو یوں — خستہ قسم کی حالت میں سامنے پا کر بوکھلا گیا — شہناز کی آنکھوں میں ریگستانوں کی سی ویرانی تھی — تنہا رہ جانے کا زہر تھا۔

"تت — تم شنو — اور اس حالت میں — کیا ہوا —" وہ تیز لہجے میں بولا

شہناز کے ہونٹوں پر بڑی نفرت انگیز مسکراہٹ ابھر کر مٹ گئی۔ جب وہ بولی تو اس کی آواز ہر قسم کے جذبے سے خالی تھی۔

"تم نے مجھے لوٹ لیا ہے — تم نے مجھے برباد کر ڈالا — تم نے میری راحت کو — میرے شوہر کو — اور میرے بچوں کو — مجھ سے چھین لیا — اور تم نے — مجھے خود مجھ سے چھین لیا —"

"کیا کہہ رہی ہو —" جمیل جیسے چیخ پڑا ہو۔

"پندرہ سال قبل — تم نے ایک بے حیائی کا مظاہرہ کیا تھا جس کے داغ

اس کے چہرے پر آپڑے ہیں —"

"کیا تم ہوش میں ہو — کیا بک رہی ہو —" جمیل غرا کر کھڑا ہو گیا۔

"ہوش اس وقت آیا — جب سب کچھ لٹ چکا تھا — تم ایک بے غیرت بھائی ہو — اگر غیرت مند ہوتے تو کسی بھی بے حیائی کا مظاہرہ کرتے وقت گھر کی چار دیواری کا انتخاب کبھی نہ کرتے — کیونکہ اس گھر میں تمہاری ایک ایسی بہن رہتی تھی جس کا بچپن جوانی کے گلے مل رہا تھا۔"

"کک — کیا کہہ رہی ہو —" جمیل پاگلوں کی طرح چیخ پڑا — شاید اس کی سمجھ میں ابھی تک کچھ بھی نہیں آسکا تھا کہ اس کی چھوٹی بہن کیا بکواس کر رہی ہے۔

شہناز نے بڑی نفرت سے بھائی کی طرف دیکھا — اور بولی۔

"برے کاموں کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں بھیا — لیکن تم نے ہر اصول کو توڑ کر ایک بہن کی موجودگی میں ایک عورت کے ساتھ اپنا منہ کالا کرتے رہے اور — میں — اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھتی رہی — اور — اور — کم عمری میں لٹ گئی — اور تمہاری اس بے حیائی نے مجھے لوٹ لیا — تم میرے قاتل ہو — لہٰذا — میں — تمہیں اپنے ہاتھوں سے سزائے موت کا حکم دیتی ہوں —" اتنا کہہ کر شہناز نے پرس سے ریوالور نکال لیا۔

"کک — کیا کر رہی ہو — پاگل ہو گئی ہو —" جمیل بوکھلا کر چیخ پڑا اور شہناز ریوالور کو جنبش دے کر بولی۔

"تمہاری موت ان بھائیوں کے لئے مشعلِ راہ بن جائے گی جن کی بہنیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھوڑوں میں جوان ہو رہی ہیں — اور جوان ہو چکی ہیں —" اتنا کہہ کر شہناز نے گولی چلا دی۔ ایک دھماکہ ہوا — اور پورا کمرہ ہی نہیں پورے بنگلے کا سناٹا چیخ پڑا۔ گولی کیونکہ جمیل کا دل چیر گئی تھی لہٰذا — وہ چند منٹوں میں ٹھنڈا ہو گیا۔ حیرت اور اذیت سے اس کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں — اس نے ریوالور اور پرس وہیں پھینک دیا — اور پورے ایک گھنٹے بعد پھر ریلوے پلیٹ فارم پر آ گئی تھی — اور اس وقت وہ ریل کی دو پٹریوں کے درمیان خلاؤں کو گھورتے ہوئے چلی جا رہی تھی۔ پلیٹ فارم کی روشن بتیاں بہت پیچھے رہ گئیں تھیں۔ دور — کہیں مخالف سمت سے انجن کے وسل دینے کی آواز سنائی دی تھی۔ لیکن وہ اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ گاڑی اسے کچل کر رکھ دے گی دونوں پٹریوں کے درمیان چلے جا رہی تھی۔ بائیں ہاتھ سے کہیں دور کسی کتے کے رونے کی آواز ابھری۔ اور اسی لمحے انجن نے پھر وسل دی تھی — اور شہناز آہستہ آہستہ اپنی منزل کی طرف بڑھتی چلی جا رہی تھی — شاید یہی اس کی آخری پناہ گاہ تھی —